رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ
جون ۲۰۱۶ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خصوصی مضمون

روزہ، رمضان اور قرآن

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول: سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(تیرہواں ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 475 روپے

حصہ دوم: سورۃ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
(گیارہواں ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم: سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
(آٹھواں ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم: سورۃ یونس تا سورۃ الکہف
(ساتواں ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 485 روپے

حصہ پنجم: سورۃ مریم تا سورۃ السجدۃ
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات 480، قیمت 575 روپے

حصہ ششم: سورۃ الاحزاب تا سورۃ الحجرات
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات 484، قیمت 590 روپے

حصہ ہفتم: سورۃ قٓ تا سورۃ النّاس
(تیسرا ایڈیشن) ——— صفحات 560، قیمت 650 روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور

شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

جلد : 65

شمارہ : 6

رمضان المبارک 1437ھ

جون 2016ء

فی شمارہ 30/-

خصوصی شمارہ قیمت 60 روپے

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت وبنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: **www.tanzeem.org**

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور
فون: 36316638 - 36366638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ۔۔۔۔۔۔ 5
اور اب ہیبتُ اللہ! — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القرآن ۔۔۔۔۔۔ 9
سورۃ الفرقان (آیات ۳۵ تا ۷۷) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

شھرٌ عظیمٌ ۔۔۔۔۔۔ 31
روزہ' رمضان اور قرآن — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تعمیرِ سیرت ۔۔۔۔۔۔ 56
روزہ اور تہذیبِ نفس — محبوب الحق عاجز

تذکّر و تدبّر ۔۔۔۔۔۔ 63
قرآن کریم کی اُصولی باتیں (۱۰) — ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

دعوت و تحریک ۔۔۔۔۔۔ 77
تنظیمِ اسلامی کا تاریخی پس منظر — نذر حیات خان

نقد و نظر ۔۔۔۔۔۔ 89
تحفظِ خواتین بل کا شرعی اور معاشرتی جائزہ — مولانا زبیر احمد صدیقی

حُسنِ معاشرت ۔۔۔۔۔۔ 101
اسلام میں عورتوں کی وراثت — پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق

نھی عن المنکر ۔۔۔۔۔۔ 109
فحاشی کی تعریف' شرعی حکم اور نتائج — ڈاکٹر محمد امین

تذکیر و مَوعظت ۔۔۔۔۔۔ 131
اَلْحَمْدُ لِلّٰہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یادِ رفتگاں ۔۔۔۔۔۔ 135
حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۷) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

سبق پھر پڑھ ۔۔۔۔۔۔ 145
اسلام کا معاشرتی نظام — شجاع الدین شیخ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اور اب ہیبت اللہ!

افغان طالبان کے امیر مُلّا اختر منصور کو امریکہ نے ایک ڈرون حملہ کر کے بلوچستان کے ضلع نوشکی میں شہید کر دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ سانحہ اسلام آباد میں چار ملکی (پاکستان‘ افغانستان‘ چین اور امریکہ) امن کانفرنس کے انعقاد کے فوری بعد پیش آیا جس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ افغان طالبان کو جلد از جلد اور جس طرح بھی ممکن ہو‘ قیامِ امن کی خاطر مذاکرات کے لیے آمادہ کیا جائے۔ ملا اختر منصور جب امیر منتخب ہوئے تھے تو طالبان کے جن گروپس نے اُن کی مخالفت بلکہ مزاحمت کی تھی‘ اُن کا اصل اعتراض یہ تھا کہ ملا اختر منصور پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ کے بہت قریب ہیں اور امن مذاکرات کے شدت سے قائل ہیں۔ ملا اختر منصور نے بڑی مشکل سے اپنے اِن ساتھیوں کو قائل کیا اور کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی امارت پر قریباً مکمل اتفاق ہو گیا تھا۔ اس اتفاقِ رائے کے لیے سراج الدین حقانی نے شاندار رول ادا کیا۔ ملا عمر کے بیٹے ملا یعقوب اور بھائی ملا عبدالمنان کا رول بھی قابلِ تحسین تھا۔ ملا اختر منصور نے بھی ساتھیوں سے مشاورت کو اہمیت اور ترجیح دی‘ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے دورِ امارت میں افغان فوجیوں اور امریکی مفادات کو زوردار انداز میں نشانہ بنایا گیا۔ جنگی محاذ پر کامیابیوں نے اُن کی حیثیت کو مستحکم کر دیا اور اب ایک بار پھر وہ مذاکرات کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عین ممکن ہے کہ اُن کی پاکستان آمد کا مقصد یہ ہو کہ وہ ذاتی طور پر چار ملکی امن کانفرنس میں ہونی والی بات چیت کے حوالہ سے براہِ راست معلومات حاصل کریں اور وہ امن کے حوالہ سے امریکہ کی سنجیدگی کا اندازہ کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن امن کے زبانی پرچارک اور عملی طور پر درندہ صفت عالمی کھلاڑی‘ جو ڈپلومیسی کے نام پر دھوکہ‘ فراڈ اور جعلسازی کا جال بچھائے ہوئے ہیں‘ اُنہوں نے یہ قتلِ ناحق اس لیے کیا کہ وہ امن کا ڈھول پیٹتے ہیں اور خون کی ہولی کھیلنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یعنی بغل میں چُھری مُنہ میں رام رام۔ امن

کانفرنسوں کا ڈھونگ رچانے والے امریکہ نے پہلی بار مذاکرات کو سبوتاژ نہیں کیا۔ اس سے پہلے بھی وہ عین مذاکرات کے موقع پر امیر المومنین ملا عمرؒ کی رحلت کا راز فاش کر کے مذاکرات کو تہس نہس کر چکے ہیں۔ ایک وقت جب پاکستان ٹی ٹی پی سے مذاکرات کرنے کو تھا تو تحریک طالبان پاکستان کے لیڈر حکیم اللہ مسعود کو ہلاک کر دیا گیا تھا‘ جس کے نتیجہ میں ٹی ٹی پی پاکستان سے مذاکرات سے انکاری ہو گئی تھی۔

امریکہ اگر آج یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سپریم پاور آف دی ورلڈ ہے‘ بلکہ آج تک انسانی تاریخ میں اتنی زبردست اور تباہ کن قوت کی حامل کوئی اور قوم یا ریاست نہیں ہوئی جو قوت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو حاصل ہے تو ہم اُس کے اس دعویٰ کو تو چیلنج نہیں کرتے لیکن اس سے کہیں زیادہ تیقن اور زوردار انداز میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں کسی قوم کے منہ کو انسانوں کا اتنا خون نہیں لگا تھا جتنا امریکی قوم کے منہ کو لگا ہے۔ آگ اور خون کا جتنا کھیل یہ قوم کھیلتی ہے‘ کوئی دوسری قوم اس کے آس پاس نہیں پھٹک سکتی۔ بیسویں صدی کے وسط میں امریکہ سپر پاور بنا۔ آج تک کوئی ایک دن ایسا نہیں گزرا کہ امریکیوں نے تباہی و بربادی کا کھیل نہ کھیلا ہو۔ بھیڑیے کے جسم پر انسانی چہرہ لگائے ہوئے اس قوم نے اپنی سُپر میسی کا آغاز جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگا ساکی کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر کیا۔ گزشتہ پون صدی میں ظلم و ستم اور قتل و غارت کے حوالہ سے فرعونیت‘ قارونیت‘ چنگیزیت‘ یزیدیت اور ہلاکو و ہٹلر کی بربریت کو بری طرح مات اِسی قوم نے دی۔ گوانتانا موبے اور افغانستان کی جیلوں میں جنگی قیدیوں سے جو شرمناک اور انسانیت سوز سلوک کیا گیا‘ آنے والے وقت میں مؤرخ اُس کی تفصیل بتائے گا تو انسانیت شرمندہ ہو گی اور شیطان فخر کرے گا کہ اس کی خواہش اور توقع سے بھی بڑھ کر کیا کچھ ہوا۔

بہرحال امریکہ تو کئی بار ثابت کر چکا ہے کہ وہ انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ ہم امریکہ کے غلام پاکستانی بھی اسفل سافلین کا مقام پا چکے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی حالت یہ ہے کہ امریکہ نے اُنہیں بتا دیا کہ تمہاری خود مختاری‘ تمہارے اقتدار‘ تمہاری سلامتی کو فلاں فلاں وقت پاؤں تلے روندتے ہوئے اُس نے بلوچستان میں افغان طالبان کے لیڈر کو ہلاک کر دیا ہے۔

افغان طالبان اپنا نیا لیڈر چُن چکے اور ہمارے وزیر داخلہ پانچ دن سے DNA کے چکر میں ہیں۔ انسانی جسموں اور گاڑی کے لوہے کو راکھ بنا دینے والے ڈرون نے قلعہ عبداللہ کے

ولی محمد کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کو عزت واحترام سے ایک طرف رکھ دیا تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔ ہمارے وزیر داخلہ کو یہ سمجھ بھی نہیں آ رہی کہ نگری نگری چکر لگانے والے ملا اختر منصور کو آخر پاکستان ہی میں کیوں ہلاک کیا گیا ہے؟ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا! محترم قابل صد احترام وزیر داخلہ صاحب' امریکہ نہیں جانے گا تو اور کون جانے گا کہ دنیا میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے اور دنیا میں صرف پاکستان کے حکمران ہی ایسی مخلوق ہیں جو نااہلی' بے فکری' بے پرواہی' بے حسی' بے حمیتی اور بزدلی (اس سے آگے قلم شائستگی کی حدود کراس کرنے سے انکاری ہے' وگرنہ ان کی مزید صفات بیان کی جا سکتی تھیں۔) میں دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ دنیا کا کوئی اور ملک اس توہین کو برداشت نہیں کرے گا۔ بقول سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے ''امریکہ والو تم اپنا کام کرتے جاؤ' ہم اس پر پارلیمنٹ میں دکھاوے کا شور وغوغا کرتے رہیں گے''۔ یاد رہے کہ صدر زرداری نے ایبٹ آباد آپریشن پر امریکہ کو مبارک باد دی تھی۔ ہماری سیاسی اور عسکری قیادتیں مشترکہ طور پر اِس ذلت اور رسوائی کی ذمہ دار ہیں۔

قارئین کرام! کیا حکمرانوں کے اِن فرمودات کے بعد بھی قلم اور زبان کو شائستگی برقرار رکھنی چاہیے؟ اگرچہ سینے سے ایسی آہ اٹھتی ہے کہ فضا مسموم ہو جائے' قلم باغی ہوا چاہتا ہے اور بزدلی کا طعنہ دیتا ہے' لیکن ہم رحم وکرم کی اپیل کرتے ہوئے صرف آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں گے اور شائستگی کا دامن کسی صورت چھوٹنے نہ پائے گا۔ اس لیے کہ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ فخرِ انسانیت رحمۃٌ للعالمین ﷺ کا یہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے' اُنہیں صراطِ مستقیم پر قائم کرے۔ اُن کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہونے سے پہلے کھول دے تاکہ اُنہیں دوست اور دشمن کی پہچان ہو جائے۔ سب سے اہم بات یہ کہ خود کو پہچانیں اور اپنی خودی کو دشمنانِ اسلام کے چرنوں پر نچھاور نہ کریں۔ ہم میں طاقت نہیں ہے' لیکن اسلام میں بے پناہ طاقت ہے۔ اسلام کی پناہ میں آئیں' اللہ کی پناہ میں آئیں' اور اپنے اس دشمن کے خلاف ڈٹ جائیں جو ہر دوسرے روز دنیا میں ہمیں رسوا کرتا ہے' جو درحقیقت ہمارے دین کا دشمن ہے' اللہ اور رسول کا دشمن ہے۔ کیا ہم جان کر بھی نہیں جانتے اور نہیں مانتے کہ اقتدار ہی نہیں یہ زندگی بھی عارضی ہے۔ نہ ہمارے آباء واجداد رہے' نہ ہم رہیں گے۔ جب موت حتمی ہے اور ہمارا مقدر ہے تو عزت سے کیوں نہ آئے؟

ہماری وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف سے یہ گزارش ہے کہ وہ فیملی سمیت لندن کے اعلیٰ ریستورانوں میں لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ضرور ہوں' وہاں کے مہنگے ترین سٹورز سے شاپنگ بھی ضرور کریں' لیکن یہ نہ بھولیں کہ کفن کی جیب نہیں ہوتی اور بدبخت قارون کو تو کفن بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ وہ بھی وقت کی امتِ مسلمہ کا بہرحال ایک فرد تھا۔

آخر میں امریکہ کو بتا دینا ضروری ہے کہ اُس نے طالبانِ افغانستان کے خلاف طاقت کے ساتھ ساتھ عیاری اور مکاری سے کام لیتے ہوئے کون سا حربہ اختیار نہیں کیا۔ کیسی کیسی سازشوں کے جال بچھائے' طالبان کے نام کو بدنام کرنے کے لیے پاکستان میں تحریکِ طالبان پاکستان بنوائی اور اُس سے اسلام دشمن ہی نہیں' انسانیت دشمن کارروائیاں کروائیں' لیکن طالبان افغانستان کا اپنے نیک مقصد اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے چہرہ اسی طرح چمکتا دمکتا رہا اور ان کا دامن بھی اُجلا رہا اور نہ ہی اُن کے پائے استقلال میں لغزش آئی۔ وہ اپنی آزادی اور اللہ کے دین کے قیام کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ مسلسل پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ امریکی فوجی جان بچا کر خوش ہوتے ہیں' جبکہ افغان طالبان جان نثار کر کے شادمان ہوتے ہیں۔ کسی نے امریکی جنرل سے افغانستان میں اپنی ناکامی کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا: They want to die and we want to live۔ بہرحال امریکہ کو ذلّت آمیز اور عبرت ناک شکست کا سامنا ہے۔ امریکہ ملا اختر منصور کو جاں بحق کر کے خوشی کے شادیانے بجا رہا ہے! نادان نہیں جانتا کہ اب وہاں ہیبت اللہ ہے ہیبت اللہ! خبردار امریکہ خبردار!

❀❀❀

اطلاع برائے قارئین	قارئین نوٹ فرمالیں کہ ماہنامہ میثاق کا زیرِ نظر شمارہ جون جولائی کی مشترکہ اشاعت پر مشتمل ہے۔ اس اعتبار سے اس کی ضخامت میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الفُرقان

آیات ۳۵ تا ۴۴

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ
اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا کَذَّبُوا
الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا
اَلِیْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِکَ کَثِیْرًا ﴿۳۸﴾ وَکُلًّا
ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَکُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَی الْقَرْیَةِ الَّتِیْٓ
اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَکُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾
وَاِذَا رَاَوْکَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ کَادَ
لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ
الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ
عَلَیْهِ وَکِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا
کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾

آیت ۳۵ ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾﴾ ’’اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی تھی اور اس کے ساتھ ہم نے اُس کے بھائی ہارونؑ کو وزیر بنا دیا تھا۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور معاونت کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے مددگار کے طور پر رسالت کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی۔ وزیر ’’وِزر‘‘ (بوجھ) سے ہے‘ یعنی ذمہ داریوں

کا بوجھ اٹھانے میں معین و مددگار۔

آیت ۳۶ ﴿فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾﴾ ’’تو ہم نے حکم دیا کہ آپؑ دونوں جاؤ اُس قوم کی طرف جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔‘‘

یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا اور ان لوگوں کے مسلسل انکار کے باعث بالآخر انہیں سمندر میں غرق کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔

آیت ۳۷ ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا کَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ﴾ ’’اور قومِ نوحؑ کو بھی ہم نے غرق کر دیا‘ جب انہوں نے رسولوںؑ کی تکذیب کی اور انہیں ہم نے نوعِ انسانی کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔‘‘

﴿وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۷﴾﴾ ’’اور ہم نے ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔‘‘

یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والی ان قوموں کو عذاب استیصال کی صورت میں نقد سزا تو دنیا ہی میں مل گئی تھی مگر اصل عذاب ابھی ان کا منتظر ہے۔ یہ عذاب انہیں آخرت میں ملے گا اور وہ بے حد تکلیف دہ ہو گا۔

آیت ۳۸ ﴿وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِکَ کَثِیْرًا ﴿۳۸﴾﴾ ’’اور قومِ عاد‘ قومِ ثمود‘ کنویں والوں اور ان کے مابین بہت سی دوسری اقوام (کو بھی ہم نے ہلاک کر دیا)۔‘‘

’’اصحاب الرس‘‘ کے بارے میں صراحت نہیں ملتی کہ یہ کون سی قوم تھی اور ان کا زمانہ اور علاقہ کون سا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کسی کنویں میں بند کر دیا تھا۔ اس لیے انہیں کنویں والے کہا گیا ہے۔

آیت ۳۹ ﴿وَکُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫﴾ ’’اور ان سب کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں‘‘

اپنے اپنے وقت پر ان سب قوموں کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے ان کے ماحول اور حالات کے مطابق ہم ٹھوس دلائل اور واضح حقائق پر مبنی تعلیمات ان کے سامنے پیش

کرتے رہے۔

﴿وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾﴾ ”لیکن (ان کے انکار کی پاداش میں بالآخر) ہم نے ان سب کو غارت کر دیا۔“

آیت ۴۰ ﴿وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ﴾ ”اور یہ لوگ اُس بستی پر سے تو گزرتے ہیں جس پر بہت بری بارش برسائی گئی تھی۔“

اس سے سدوم اور عامورہ کی بستیاں مراد ہیں جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ بدترین بارش سے مراد پتھروں کی بارش ہے' جس کا ذکر قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے۔

﴿اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ﴾ ”تو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہے؟“

سفر شام کے دوران آتے جاتے قریش کے تجارتی قافلے جب ان بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے ہیں تو کیا یہ لوگ انہیں نگاہِ عبرت سے نہیں دیکھتے؟

﴿بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾﴾ ”بلکہ وہ امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی!“

اصل بات یہ ہے کہ انہیں بعث بعد الموت پر یقین نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایسے عبرت انگیز حقائق پر سے یہ لوگ بغیر کوئی سبق حاصل کیے اندھوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

آیت ۴۱ ﴿وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ﴾ ”اور یہ لوگ جب بھی آپؐ کو دیکھتے ہیں تو آپؐ کا مذاق بنا لیتے ہیں۔“

قریش مکہ کے ہاں حضور ﷺ کی دعوت کی مخالفت کا یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ وہ بات سننے کے لیے کبھی سنجیدہ نہ ہوتے اور آپؐ کی دعوت کو ہمیشہ مذاق میں اڑا دیتے۔ نہ وہ آپؐ کی بات کو کبھی سنجیدگی سے سنتے' نہ کبھی اس پر غور کرتے اور نہ ہی اس کا کوئی سنجیدہ جواب دیتے۔

﴿اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾﴾ ”کیا یہ ہیں جنہیں اللہ نے بھیجا ہے رسول بنا کر!“

یہ اور اس طرح کے دوسرے جملوں کے ذریعے وہ لوگ آپؐ کا تمسخر اڑاتے تھے۔

آیت ۴۲ ﴿اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ﴾ ”قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں اپنے معبودوں سے ورغلا دیتا' اگر ہم اُن (کی پرستش) پر ثابت قدم نہ رہتے۔“

اگر ہم نے اپنے ان معبودوں کے ساتھ وفاداری کا رشتہ استوار نہ کر رکھا ہوتا تو یہ شخص

ضرور ہمیں ان سے برگشتہ کر کے راستے سے بھٹکا دیتا۔

﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾﴾ ”عنقریب جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو جان جائیں گے کہ کون بھٹکا ہوا تھا راستے سے۔“

انہیں بہت جلد یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ اصل گمراہ کون تھا؟ جنہیں یہ گمراہی کا الزام دیتے ہیں وہ یا یہ خود!

آیت ۴۳ ﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ﴾ ”کیا تم نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟“

یہاں شرک کی ایک بہت اہم قسم بیان ہوئی ہے' جو ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس پر بڑے بڑے موحدین کو غور کرنا چاہیے کہ دراصل شرک صرف ”یا علی مدد!“ کا نعرہ لگانے یا قبر پرستی تک ہی محدود نہیں ہے' بلکہ اللہ کے کسی واضح حکم کے مقابلے میں خواہشِ نفس پر عمل پیرا ہونا بھی شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ انسان کو اس کا نفس ہر وقت دنیا سمیٹنے اور زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے کے حسین خواب دکھاتا ہے۔ وہ حرام کو اپنانے کے لیے پُرکشش توجیہات پیش کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آج کے بینک کا سود حرام نہیں ہے' پرانے دور میں تو سود کو اس لیے حرام کیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے سے غرباء کا استحصال ہوتا تھا' آج کے بینکنگ نظام پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا' آج تو بینک کی معاونت کے بغیر کوئی کاروبار چل ہی نہیں سکتا' اس لیے بینک کے تعاون سے فلاں کاروبار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے نفس کی بات مان لی تو گویا وہ اپنے نفس کا بندہ بن گیا۔ اب اس کا نفس ہی اس کا ”مطاع“ ہے اور جو کوئی بھی کسی کا اصل مطاع ہو گا وہی اس کا معبود ہو گا۔

عبادت دراصل مکمل غلامی کا نام ہے۔ جس طرح ایک غلام اپنے آقا کا ہر حکم ماننے کا پابند ہے اسی طرح ایک بندے (عبد) پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے معبود کی مکمل فرمانبرداری کرے اور اس کے کسی بھی حکم سے سرتابی نہ کرے۔ عبادت کا یہ مفہوم سورۃ المؤمنون میں درج فرعون کے اس جملے سے اور بھی واضح ہو جاتا ہے: ﴿وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾ کہ ان دونوں (حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ) کی قوم ہماری غلام اور اطاعت شعار ہے۔ اب اگر کوئی شخص زبان سے توحید پرستی کا دعویٰ کرے' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے وظیفے کرے اور چلّے کاٹے' لیکن عملاً اطاعت اور فرمانبرداری اپنے نفس کی کرے تو حقیقت میں وہ توحید پرست نہیں بلکہ

نفس پرست ہے اور اس کا نفس ہی اصل میں اس کا معبود ہے۔

﴿اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) کیا آپ ایسے شخص کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟“

آیت ۴۴ ﴿اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ﴾ ”یا آپ کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں؟“

یہ لوگ آپ کی محفل میں کچھ سننے اور سمجھنے کے لیے نہیں آتے بلکہ یہ تو اپنے عوام کو دھوکا دینے کے لیے آتے ہیں تاکہ واپس جا کر انہیں بتا سکیں کہ ہم تو بڑے اہتمام کے ساتھ گئے تھے کہ محمد (ﷺ) کی باتوں کو خود سنیں اور سمجھیں لیکن ان سے تو ہمیں کوئی خاص بات سننے کو ملی ہی نہیں۔

﴿اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾﴾ ”یہ نہیں ہیں مگر چوپایوں کی مانند‘ بلکہ ان سے بڑھ کر بھٹکے ہوئے ہیں۔“

چوپائے تو کسی کلام کے مفہوم کو سمجھنے سے اس لیے معذور ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس سطح کا شعور ہی نہیں دیا‘ لیکن یہ لوگ انسان ہو کر بھی عقل اور شعور سے کام نہیں لیتے۔ اس لحاظ سے یہ لوگ چوپایوں اور جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

آیات ۴۵ تا ۶۰

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا
الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ
لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ
الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ
بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ
لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ
نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ
الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا
مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ

قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ
الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔـلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ
الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ ڙ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى
الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ
قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ ۞

آیت ۴۵ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں اپنے رب (کی قدرت) کی طرف کہ وہ کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟“

جب رات ہوتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے پوری زمین پر ایک سیاہ چادر اوڑھا دی گئی ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ﴾ ”اور اگر وہ چاہتا تو اس کو مستقل ٹھہرائے رکھتا۔“

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو پوری زمین پر ہمیشہ رات ہی رہتی‘ دن کا اجالا کبھی نمودار ہی نہ ہوتا۔ جیسے کہ سورۃ القصص میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ان لوگوں سے پوچھئے: کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ روزِ قیامت تک ہمیشہ کے لیے تم پر رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟“

﴿ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾﴾ ”پھر ہم نے سورج کو اس پر راہنما بنایا۔“

تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا (چیزیں اپنی مخالف چیزوں سے پہچانی جاتی ہیں) کے مصداق سورج کے وجود سے ہی ہمیں روشنی اور تاریکی کا پتا چلتا ہے۔

آیت ۴۶ ﴿ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾﴾ ”پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔“

جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سائے بہت لمبے ہوتے ہیں۔ پھر جوں جوں سورج اوپر اٹھتا ہے تو آہستہ آہستہ سمٹنا شروع ہو جاتے ہیں جیسے کوئی ان کی طنابیں کھینچ رہا ہو۔

آیت ۴۷ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ

نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ ’’اور وہی ہے جس نے رات کو بنایا تمہارے لیے اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن کو بنایا اُٹھ کھڑے ہونے کا وقت۔‘‘

رات کو انسانوں کے آرام کرنے کے لیے موزوں کیا‘ اور دن کے ماحول کو ان کے کام کاج کرنے کے لیے ساز گار بنایا۔

آیت ۴۸ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ﴾ ’’اور وہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے آگے بشارت بنا کر۔‘‘

بادلوں کے آگے آگے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے گویا بارانِ رحمت کی نوید سناتے جاتے ہیں۔

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾﴾ ’’اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔‘‘

بارش کا پانی پاک بھی ہے اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔ جب یہ پانی برستا ہے تو سب سے پہلے فضا کی آلودگی کو صاف کرتا ہے۔ پھر زمین کی بہت سی آلودگیوں کو سمندر میں بہا لے جاتا ہے۔ سمندر کے پانی سے بخارات کی صورت میں بالکل صاف اور ہر آلودگی سے پاک پانی پھر سے فضا میں پہنچ کر بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح یہ سلسلہ (cycle) چلتا رہتا ہے۔

آیت ۴۹ ﴿لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۵۰﴾﴾ ’’تاکہ ہم زندہ کریں اس کے ذریعہ سے مُردہ زمین کو اور اس سے ہم سیراب کرتے ہیں اپنی مخلوق میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو۔‘‘

جہاں یہ پانی بہت سی آلودگیوں کو صاف کرتا ہے وہاں یہ جانوروں اور انسانوں کے پینے کے کام بھی آتا ہے۔ میڈیکل سائنس کی نظر سے دیکھا جائے تو انسانی یا حیوانی جسم کے اندر استعمال ہو کر پانی کہیں ختم (consume) نہیں ہو جاتا بلکہ یہاں بھی وہ جسم کے اندرونی نظام کو چلانے اور اس کی صفائی کرنے کا کام کرتا ہے۔ پانی کے ذریعے سے ہی جسم کے اندر خون کی گردش (circulation) ممکن ہوتی ہے اور metabolism کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فاضل اور نقصان دہ فضلات کا معدے‘ گردوں‘ پھیپھڑوں وغیرہ سے اخراج ممکن ہوتا ہے۔

آیت ۵۰ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۡ﴾ ’’اور اس کو ہم نے گردش میں رکھا ہوا ہے ان کے مابین تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔‘‘

سمندر کے بخارات سے بادلوں کا بننا‘ اربوں ٹن پانی کا ہواؤں کے دوش پر ہزاروں میلوں کے فاصلے طے کر کے مختلف علاقوں میں بارش برسانا‘ ان بارشوں سے ندی نالوں اور دریاؤں کے سلسلوں کا جنم لینا‘ انسانی آبادیوں سے میلوں کی بلندیوں پر گلیشیرز کی صورت میں پانی کے کبھی نہ ختم ہونے والے ذخائر (over head tanks) کا وجود میں آنا‘ پھر گلیشیرز کا پگھل پگھل کر ایک تسلسل کے ساتھ انسانی ضرورتوں کی سیرابی کا ذریعہ بننا‘ اور اس سب کچھ کے بعد فالتو پانی کا پھر سے سمندر میں پہنچ جانا! یہ ہے پانی کی گردش (water cycle) کا عظیم الشان نظام جو قدرت کے بڑے بڑے عجائبات میں سے ہے اور زبانِ حال سے انسانی عقل و شعور کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اس کے خالق کو پہچانے اور اس پر ایمان لائے۔

﴿فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾﴾ ’’لیکن اکثر لوگ کفرانِ نعمت ہی کرتے ہیں۔‘‘

اس سب کے باوجود اکثر لوگ ناشکری ہی پر اڑے ہوئے ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کرنے سے انکاری ہیں۔

آیت ۵۱ ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾﴾ ’’اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے۔‘‘

اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر بستی میں بھی پیغمبر بھیج سکتے تھے‘ لیکن عام طور پر ایک قوم کی طرف ایک پیغمبر ہی مبعوث کیا جاتا رہا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرعد میں فرمایا گیا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾﴾ کہ ہر قوم کی طرف ایک پیغمبر بھیجا گیا۔ اور یہ پیغمبر ہمیشہ ایسے شہر میں مبعوث کیا جاتا تھا جو متعلقہ قوم یا علاقے کے ثقافتی‘ علمی‘ تہذیبی اور سیاسی مرکز کی حیثیت سے معروف ہوتا تھا۔ کیونکہ کسی بھی علاقے کے عوام ہر پہلو سے اپنے مرکزی شہر میں پروان چڑھنے والے رجحانات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی قانون اور اصول سورۃ القصص کی آیت ۵۹ میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا﴾ ’’اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ وہ ان کی مرکزی بڑی بستی میں کوئی رسول نہ بھیج دیتا۔‘‘

آیت ۵۲ ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کفار کا کہنا نہ مانیے‘‘

یہاں پر لفظ اطاعت حکم کی تعمیل کے مفہوم میں نہیں آیا‘ بلکہ اس فقرے کا مفہوم سمجھنے کے لیے ان حالات کے بارے میں جاننا ضروری ہے جو اس سورت کے نزول کے وقت حضور ﷺ کو مکہ میں درپیش تھے۔ اُس وقت مکہ کی فضا انتہائی کشیدہ تھی اور حضور ﷺ پر ہر طرف سے شدید

دباؤ تھا۔ ان حالات میں اکثر لوگ آپؐ کو مشورے دیتے تھے اور بار بار سمجھاتے تھے کہ آپؐ نے اپنی پوری قوم کے ساتھ جو لڑائی مول لے رکھی ہے یہ مناسب حکمتِ عملی نہیں ہے۔ اس سے قبیلے میں پھوٹ پڑ جائے گی‘ بھائی بھائی سے کٹ جائے گا‘ اولاد والدین سے جدا ہو جائے گی‘ قبیلے کی بنی بنائی ساکھ برباد ہو جائے گی اور اس کے نتائج سب کے لیے بہت بھیانک ہوں گے۔ اگر آپؐ اپنے موقف میں تھوڑی سی لچک پیدا کر لیں تو صلح صفائی کی کوئی صورت نکل سکتی ہے اور حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کشمکش کے اس ماحول میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب ولید بن مغیرہ سمیت قریش کے اکثر اکابرین چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کی کچھ باتیں تسلیم کر لی جائیں‘ اس کے جواب میں آپؐ بھی اپنے موقف میں کچھ لچک پیدا کریں‘ اس طرح کوئی درمیانی راہ نکل آئے اور تصادم کا خطرہ ٹل جائے۔ لیکن اہلِ مکّہ کی اس سوچ اور کوشش کے باوجود آپؐ اپنے موقف پر پوری تندہی اور دل جمعی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ ان حالات میں ایک طرف اہلِ ایمان پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا تو دوسری طرف آپؐ پر شدید نوعیت کا معاشرتی دباؤ تھا۔ اس صورت حال کی نزاکت اور شدت کی ایک جھلک سورۂ بنی اسرائیل کی ان آیات سے بھی محسوس کی جا سکتی ہے: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ڰ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾﴾ ’’(اے نبی ﷺ!!) یہ لوگ تو تلے ہوئے تھے کہ آپؐ کو فتنے میں ڈال کر اس سے بچلا دیں جو ہم نے آپؐ کی طرف وحی کی ہے تا کہ آپؐ کچھ اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ آپؐ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپؐ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ آپؐ ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو ہی جاتے‘‘۔ اس سیاق وسباق میں آیت زیر نظر کے ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی کسی بات کو قبول کرنا تو درکنار آپؐ ان لوگوں کی باتوں کی طرف بالکل دھیان ہی نہ دیں۔

﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾﴾ ’’اور آپؐ ان کے ساتھ جہاد کریں اس (قرآن) کے ذریعے سے بڑا جہاد۔‘‘

ان مشکل حالات میں آپؐ کو قرآن کے ذریعے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مکّہ میں بارہ سال تک آپؐ نے جو جہاد کیا وہ جہاد بالسیف نہیں تھا بلکہ جہاد بالقرآن تھا۔ اس جہاد کی آج پھر ہمارے معاشرے میں شدید ضرورت ہے۔ اس موضوع کی تفصیل کے لیے

میری کتاب ’’جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ‘‘ کا مطالعہ مفید رہے گا‘ جو میری دو تقاریر پر مشتمل ہے۔ بہرحال آج ہمیں اپنے قومی وملکی مسائل کے حل کے لیے قرآن کی تلوار ہاتھ میں لے کر جہاد کرنے اور قرآنی دعوت‘ تربیت‘ تزکیہ‘ انذار اور تبشیر کے ذریعے سے اقامتِ دین کے لیے ایک بھرپور انقلابی جدوجہد برپا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اجتماعی مسائل کا حل بھی یہی ہے اور ہمارے اندرونی امراض کی دوا ﴿وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ (یونس:۵۷) بھی اسی میں ہے۔

آیت ۵۳ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ ’’اور وہی ہے (اللہ) جس نے دو دریا چلا دیے‘‘ ﴿هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ﴾ ’’یہ میٹھا ہے نہایت خوش ذائقہ اور یہ کھاری ہے نہایت کڑوا‘‘

اُس کی قدرت سے نمکین اور کھارے سمندر کے اندر میٹھے پانی کی رو بھی بہہ رہی ہے۔

﴿وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾﴾ ’’اور ان دونوں کے درمیان اس نے ایک پردہ اور مضبوط آڑ بنا رکھی ہے۔‘‘

یہ پردہ‘ آڑ یا روک نظر آنے والی کوئی چیز تو نہیں ہے‘ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی کا شاہکار ہے کہ میٹھا پانی کڑوے پانی کے ساتھ سمندر کے اندر دور تک ملنے نہیں پاتا۔

آیت ۵۴ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا﴾ ’’اور وہی ہے جس نے پانی سے پیدا کیا انسان کو‘‘

پانی سے یہاں انسان کا مادۂ تولید بھی مراد ہو سکتا ہے اور عام پانی بھی‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار چیز پانی سے ہی پیدا کی ہے۔

﴿فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿٥٤﴾﴾ ’’تو اُس نے بنایا اس کے لیے نسب اور سسرالی رشتہ۔ اور آپ کا رب سب قدرتوں کا مالک ہے۔‘‘

انسان کا نسب تو اس کے والدین سے چلتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بیوی کے حوالے سے دوسرے خاندان کے ساتھ بھی اس کا رشتہ اور تعلق جوڑا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ساس اور سسر کو بھی اللہ تعالیٰ نے والدین جیسا تقدس اور احترام عطا کیا ہے۔ سسرالی رشتہ داریاں اگر نہ ہوتیں تو قبیلوں اور خاندانوں کا معاشرے میں باہمی ارتباط واختلاط ممکن نہ ہوتا اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے الگ تھلگ رہتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سسرالی رشتوں کا تانا بانا اس طرح

سے بُن رکھا ہے کہ اس سے نوعِ انسانی باہم مربوط ہوتی چلی جاتی ہے۔

آیت ۵۵ ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ﴾ ’’اور وہ بندگی کرتے ہیں اللہ کے سوا اُن کی جو نہ تو انہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔‘‘

﴿وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰي رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۵۵﴾ ’’اور یہ کافر لوگ اپنے رب کی طرف سے پیٹھ موڑے ہوئے ہیں۔‘‘

یہ لوگ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہی نہیں۔ ظہیر کا معنی مددگار بھی ہے اور علیٰ مخالفت کے لیے آتا ہے۔ اس طرح ان الفاظ کا مفہوم ہوگا کہ کافر لوگ اپنے رب کے خلاف دوسروں کے مددگار بنتے ہیں۔

آیت ۵۶ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۵۶﴾ ’’اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر بشیر اور نذیر بنا کر۔‘‘

تاکہ جو لوگ حق کا راستہ اختیار کر لیں انہیں اللہ کی رحمتوں اور جنت کی نعمتوں کی بشارت دیں: ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ڏ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۸۹﴾ (الواقعہ)۔ اور جو لوگ انکار پر مُصر ہیں انہیں جہنم کے عذاب سے خبردار کریں۔

آیت ۵۷ ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۵۷﴾ ’’آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا‘ سوائے اس کے کہ جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔‘‘

آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ میں تمہیں دعوت دینے اور قرآن سنانے میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہوں‘ لیکن میں نے اس کے عوض تم لوگوں سے کبھی کوئی اجرت نہیں مانگی‘ کبھی کسی معاوضے کا مطالبہ نہیں کیا۔ تم لوگ مجھ پر شاعر‘ کاہن اور جادوگر ہونے کا الزام تو دھرتے ہو‘ مگر کبھی یہ نہیں سوچتے کہ شاعر‘ کاہن‘ جادوگر وغیرہ سب تو ہر وقت معاوضے اور انعام کے لالچ میں رہتے ہیں‘ جبکہ میں تو محض اخلاص اور تمہاری خیر خواہی کی بنیاد پر دعوتِ دین کی خدمت سر انجام دے رہا ہوں۔ اس میں میرا اجر یا معاوضہ ہے تو صرف اس قدر کہ تم میں سے کسی کو اپنے رب کے راستے پر آنے کی توفیق مل جائے‘ اور اس میں بھی تمہارا ہی فائدہ ہے نہ کہ میری کوئی غرض یا منفعت!

آیت ۵۸ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَي الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ﴾ ’’اور آپ

توکل کیے رکھیے اُس زندۂ جاوید ہستی پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی‘ اور اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔‘‘

﴿وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۵۸﴾ ’’اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہے۔‘‘

کافر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے کرتوتوں کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔ وہ اللہ جو الحی اور القیوم ہے اور اپنے بندوں کے حال پر ہر آن نظر رکھے ہوئے ہے۔ ان لوگوں کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک بات جواب دہی کے لیے اس کے ہاں ریکارڈ ہو رہی ہے۔ دوسری طرف اہلِ ایمان کے نیک اعمال کی بھی ایک ایک تفصیل لکھی جا رہی ہے تاکہ انہیں ان کا بھرپور بدلہ دیا جا سکے۔

آیت ۵۹ ﴿ۨالَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ ڔ﴾ ’’وہی کہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے مابین ہے چھ دنوں میں‘ پھر وہ متمکن ہو گیا عرش پر۔‘‘

﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔــلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۵۹﴾ ’’وہ رحمٰن ہے! تو پوچھ لو اس کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی صفات اور شان کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو کسی صاحبِ علم سے پوچھو! جب کبھی انسان اپنے متعلق سوچتا ہے یا اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں غور کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ کوئی تو ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے‘ اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خالق کے بارے میں جاننا چاہتا ہے‘ اس تک رسائی چاہتا ہے‘ اسے پانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ اور یہ تجسس انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ انسانی فطرت کی اسی آواز کو کسی شاعر نے الفاظ کے قالب میں اس طرح ڈھالا ہے:

مجھ کو ہے تیری جستجو‘ مجھ کو تری تلاش ہے
خالق مرے کہاں ہے تو؟ مجھ کو تری تلاش ہے!

انسانی فطرت کی اسی جستجو اور اسی تلاش کی راہنمائی کے لیے فرمایا گیا کہ اس کے بارے میں ایسے لوگوں سے پوچھو جو اس سے آشنائی رکھتے ہوں‘ اسے پانے کے لیے ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جن کی اس کے ساتھ دوستی ہو: ﴿وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۱۱۹﴾ (التوبۃ) کہ

ایسے لوگوں کی صحبت سے ہی تمہیں اللہ کی معرفت حاصل ہو گی۔

آیت ۶۰ ﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ ۚ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ ٭﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے سجدہ کرو رحمٰن کو' تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے؟''

مشرکینِ مکہ کے لیے اللہ کا لفظ تو معروف تھا مگر رحمٰن سے وہ واقف نہیں تھے۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ پر یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ اللہ کے بجائے آپ رحمٰن کا نام کیوں لیتے ہیں؟ یہ نیا نام ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔

﴿اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا﴾ ''کیا ہم اُسے سجدہ کریں جس کے لیے تم ہمیں حکم دے رہے ہو!''

یعنی ہم آپؐ کے کہنے پر اُسے سجدہ کیوں کریں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم نے آپؐ کی بات تسلیم کر لی اور آپؐ جیت گئے۔ یہی وہ ضد ہے جسے قرآن میں 'شِقَاق'' کہا گیا ہے۔ اس ضد اور تعصب میں وہ لوگ آپؐ کی مبنی بر حقیقت بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

﴿وَزَادَہُمۡ نُفُوۡرًا ﴿۶۰﴾﴾ ''اور اس نے بڑھا دیا انہیں نفرت میں۔''

یعنی اس طرح حق سے ان کی نفرت مزید بڑھ رہی ہے اور ان کے جذبۂ فرار میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

آیات ۶۱ تا ۷۷

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّجَعَلَ فِیۡہَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیۡرًا ﴿۶۱﴾
وَہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ خِلۡفَۃً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا ﴿۶۲﴾
وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ
قَالُوۡا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّہِمۡ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا
اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَہَنَّمَ ٭ۖ اِنَّ عَذَابَہَا کَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّہَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا
وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ
قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ
اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا یَزۡنُوۡنَ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ یُّضٰعَفۡ لَہُ
الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَیَخۡلُدۡ فِیۡہٖ مُہَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا

فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنۡ
تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِیۡنَ لَا یَشۡہَدُوۡنَ
الزُّوۡرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ
یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّعُمۡیَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا
وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا
صَبَرُوۡا وَیُلَقَّوۡنَ فِیۡہَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا
وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡلَا دُعَآؤُکُمۡ ۚ فَقَدۡ کَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ یَکُوۡنُ
لِزَامًا ﴿۷۷﴾

اب اس سورۃ کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے جو ہمارے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا ایک اہم درس (درس نمبر ۱۱) بھی ہے۔ منتخب نصاب کے حصہ اول میں چار جامع اسباق ہیں۔ ان میں سے دوسرا درس آیۃُ البر (سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷) پر مشتمل ہے جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ حصہ دوم میں ''مباحثِ ایمان'' کے عنوان کے تحت پانچ دروس ہیں جن میں سے تین مقامات (سورۃ الفاتحہ' سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات اور سورۃ النور کی آیاتِ نور یعنی پانچواں رکوع) کا مطالعہ ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ منتخب نصاب کا تیسرا حصہ ''مباحثِ عملِ صالح'' پر مشتمل ہے اور اس حصے کا پہلا درس سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کے حوالے سے ہے' جن کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ ان آیات میں ایک بندۂ مؤمن کی سیرت کی تعمیر کے لیے بنیادی اساسات کے بارے میں راہنمائی کی گئی ہے' جبکہ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی جن آیات کا مطالعہ اب ہم کرنے چلے ہیں (منتخب نصاب کے تیسرے حصے کا دوسرا درس ان آیات کے حوالے سے ہے) ان میں بندۂ مؤمن کی تعمیر شدہ (mature) شخصیت وسیرت کے خصائص اور خدوخال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ لیکن اس موضوع کو شروع کرنے سے پہلے رکوع کی ابتدائی دو آیات میں ایمان کے بارے میں قرآن حکیم کے فطری استدلال کا خلاصہ بیان ہوا ہے:

آیت ۶۱ ﴿تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّجَعَلَ فِیۡہَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیۡرًا ﴿۶۱﴾﴾ ''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں رکھ دیا ایک چراغ اور ایک روشن چاند۔''

یہاں سورج کے لیے ''سراج'' یعنی چراغ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاند کو روشن بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک یہ حقیقت انسان کے علم میں آ چکی ہے کہ سورج کے اندر جلنے یا تحریق (combustion) کا عمل جاری ہے' جس کی وجہ سے وہ روشنی کے ساتھ ساتھ حرارت کا منبع بھی ہے' جبکہ چاند محض سورج کی روشنی کے انعطاف (reflection) کی وجہ سے روشن نظر آتا ہے اور اس میں کسی قسم کا عملِ تحریق نہیں پایا جاتا۔ اس کی سطح ہماری زمین کی سطح سے ملتی جلتی ہے۔ اب تو انسان خود چاند کی سطح کا عملی طور پر مشاہدہ بھی کر چکا ہے۔

آیت ۶۲ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾﴾ ''اور وہی ہے جس نے دن اور رات کو بنا دیا ہے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا' اُس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہے۔''

دن' رات اور ان کا اُلٹ پھیر آیاتِ الٰہیہ میں سے ہیں اور آیاتِ الٰہیہ پر غور کرنے سے انسان کو اللہ کی ذات' اس کے علم اور اس کی قدرت وحکمت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پھر جب انسان اللہ کی نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کرتا ہے تو اسے کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی توحید' اس کی صناعی اور اس کی قدرت پر دلالت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

ایمان کے ضمن میں یہ دو آیات گویا اس مضمون کی تمہید ہے جس میں ''عباد الرحمٰن'' یعنی اللہ کے محبوب اور چہیتے بندوں کی سیرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہر بندۂ مسلمان کو اپنے دل میں ایک خواہش اور امنگ ضرور پیدا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنے ان خاص بندوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور پھر اسے ان بندوں کی صف میں شامل ہونے کے لیے عملی طور پر کوشش بھی کرنی چاہیے۔

آیت ۶۳ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی اور نرمی کے ساتھ چلتے ہیں''

وہ اپنے آپ کو آقا اور مالک نہیں بلکہ اللہ کے بندے اور غلام سمجھتے ہیں۔ وہ چلتے بھی غلاموں ہی کی طرح ہیں۔ ان کی چال میں اکڑ کی بجائے عاجزی اور فروتنی ہوتی ہے۔

﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾﴾ ''اور جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں جاہل لوگ تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔''

عربی میں جاہل کا معنی اَن پڑھ یا بے علم آدمی نہیں' بلکہ اس سے مراد اُجڈ اور مشتعل مزاج

شخص ہے جو جہالت پر اتر آئے اور کسی شریف آدمی سے بدتمیزی کا برتاؤ کرے۔

''عباد الرحمٰن'' کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جاہل اور اُجڈ قسم کے لوگ ان کی بات کو سمجھنے اور اس سے اثر لینے کی بجائے پنجابی محاورہ کے مطابق ان سے محض سینگ پھنسانا چاہتے ہیں یعنی انہیں خواہ مخواہ بحث ومباحثہ میں الجھانا چاہتے ہیں تو انہیں سلام کر کے وہ اپنی راہ لیتے ہیں۔ کیونکہ ایسی گفتگو یا بحث سے وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل ہونے کی توقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک سمجھدار اور معقول آدمی کو چاہیے کہ وہ مناسب انداز میں دوسرے کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرے' لیکن جب اسے محسوس ہو کہ اس کا مخاطب جان بوجھ کر بات کو سمجھنا نہیں چاہتا اور خواہ مخواہ کی بحث میں الجھنا چاہتا ہے تو وہ کسی قسم کی بدمزگی پیدا کیے بغیر خود کو ایسی صورت حال سے الگ کر لے۔

آیت ۶۴ ﴿وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾﴾ ''اور وہ لوگ راتیں بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کرتے ہوئے۔''

جہاں تک پانچ نمازوں کا تعلق ہے وہ تو فرائض میں شامل ہیں۔ ان نمازوں کی پابندی بندۂ مؤمن کی سیرت کی بنیاد ہے۔ چنانچہ سورۃ المؤمنون کے آغاز میں جب بندۂ مؤمن کے کردار کی اساسات پر بات ہوئی تو وہاں نمازِ پنج گانہ کی محافظت کا ذکر ہوا: ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾﴾۔ لیکن یہاں چونکہ اللہ کے ان خصوصی بندوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں اللہ سے دوستی کا شرف اور اس کا قرب نصیب ہو چکا ہے' اس لیے یہاں جس نماز کا ذکر ہوا ہے وہ نماز بھی خصوصی ہے یعنی نمازِ تہجد۔ چنانچہ اللہ کے یہ نیک بندے اپنے رب کے حضور راتوں کی تنہائیوں میں اس وقت حاضر ہوتے ہیں جب دوسرے لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور یوں وہ اپنی راتیں اُس کے سامنے اس طرح گزار دیتے ہیں کہ کبھی حالتِ قیام میں ہیں اور کبھی سربسجود ہیں۔

آیت ۶۵ ﴿وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾﴾ ''اور (اس کے باوجود) وہ لوگ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! عذابِ جہنم کو ہم سے پھیر دے' یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والی شے ہے۔''

سورۃ النور میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کی ایسی ہی کیفیت بیان فرمائی ہے: ﴿یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾﴾ ''وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن (کے خیال) سے جس میں دل اور نگاہیں الٹ دیے جائیں گے''۔ یعنی اگرچہ وہ اپنی ہر مصروفیت پر

اللہ کے ذکر کو ترجیح دیتے ہیں اور ہر حالت میں نماز قائم کرتے ہیں‘ مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی وہ احتسابِ آخرت کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

آیت ۶۶ ﴿اِنَّهَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾﴾ ’’یقیناً وہ بہت بُری جگہ ہے مستقل ٹھکانے کے لیے بھی اور عارضی قیام کے لیے بھی۔‘‘

دنیا میں عام طور پر انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ ہر دم تبدیلی چاہتا ہے۔ تبدیلی کے طور پر وہ تھوڑی دیر کے لیے بری سے بری جگہ پر بھی تفریح محسوس کرتا ہے اور اگر اسے اچھی سے اچھی جگہ پر بھی مستقل رہنا پڑے تو وہاں اسے بہت جلد اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کے برعکس جنت اور جہنم کی کیفیت یکسر مختلف ہے۔ قرآن کے مطابق جنت ایسی پُرکشش جگہ ہے کہ وہاں مستقل رہنے کے باوجود اہلِ جنت کو اس کی دلچسپیوں اور رعنائیوں میں ذرہ بھر کمی محسوس نہیں ہوگی اور جہنم میں اگر کوئی انسان ایک لمحہ کے لیے بھی چلا گیا تو وہ اپنی ساری سختیاں اس پر اسی ایک لمحے میں ظاہر کردے گی۔

آیت ۶۷ ﴿وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَ لَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَ کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾﴾ ’’اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ (ان کا معاملہ) اس کے بین بین معتدل ہوتا ہے۔‘‘

اگرچہ کسی بھی معاملے میں اعتدال قائم رکھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے مگر اللہ کے ان بندوں کی سیرت ایسی پختہ (mature) ہوتی ہے کہ انہیں اپنے اخراجات کے اندر اعتدال اور توازن قائم رکھنے میں مشکل پیش نہیں آتی۔

آیت ۶۸ ﴿وَ الَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ﴾ ’’اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو‘‘

﴿وَ لَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ لَا یَزۡنُوۡنَ ۚ﴾ ’’اور نہ ہی قتل کرتے ہیں کسی جان کو جس کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ‘ اور نہ ہی کبھی وہ زنا کرتے ہیں‘‘

حق سے مراد یہاں وہ قانونی صورتیں ہیں جن صورتوں میں کسی انسان کی جان لی جا سکتی ہے‘ یعنی قتل کے بدلے قتل‘ مرتد کا قتل‘ حربی کافر کا قتل اور شادی شدہ زانی کا رجم۔

اس آیت میں تین کبیرہ گناہوں کا ذکر ہوا ہے: شرک‘ قتل ناحق اور زنا۔ شرک کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو دفعہ فرما دیا کہ مشرک کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ اور قتل ایسا بھیانک گناہ اور جرم ہے جس سے تمدن کی جڑ کٹتی ہے‘ جبکہ زنا سے معاشرہ گندگی کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں ایسے کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کے لیے چھوٹے گناہوں سے معافی کی خوشخبری سنائی ہے: ﴿اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ نُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾﴾ (النساء) ’’اگر تم لوگ بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ بخش دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ داخل کریں گے۔‘‘

﴿وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾﴾ ’’اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا وہ اس کی سزا کو حاصل کر کے رہے گا۔‘‘

آیت ۶۹ ﴿یُّضٰعَفۡ لَهُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ یَخۡلُدۡ فِیۡهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾﴾ ’’قیامت کے دن اُس کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں رہے گا ہمیشہ ذلیل ہو کر۔‘‘

یہ آیت اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس سے قیامت کے دن سے پہلے کا عذاب ثابت ہوتا ہے‘ یعنی جو عذاب اس شخص کو اس سے پہلے دیا جا رہا ہو گا قیامت کے دن اس عذاب کو دوگنا کر دیا جائے گا۔ منکرینِ حدیث عذابِ قبر کو نہیں مانتے۔ ان کا اصرار ہے کہ قرآن مجید میں عذاب قبر کا ثبوت نہیں ملتا۔ اگرچہ قرآن میں صراحتاً عذابِ قبر کا ذکر نہیں ہے‘ لیکن بعض آیات سے واضح طور پر برزخی زندگی کا عذاب ثابت ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے مجرمین عذاب جھیل رہے ہوں گے اور یقیناً اس عذاب سے عذابِ قبر یا عذابِ برزخ ہی مراد ہے۔ بہرحال احادیث میں عذابِ قبر کے بارے میں بہت تفصیلات ملتی ہیں۔ حضورﷺ کا فرمان ہے کہ قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اور یہ کہ قبر میں یا تو جنت کی ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جہاں سے ٹھنڈی ہوا اور خوشبو آتی ہے‘ یا پھر دوزخ کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے آگ کی لپٹ اور لو آتی ہے۔

آیت ۷۰ ﴿اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ’’سوائے اُس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے‘‘

گویا جو شخص اس طرح کے کبیرہ گناہوں میں ملوث ہوتا ہے اگرچہ قانوناً اس کا شمار کافروں میں نہیں ہوتا مگر حقیقی ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے یہاں توبہ کے بعد ایمان کی شرط بھی رکھی گئی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کی توبہ دراصل ازسرِنو ایمان لانے کے مترادف ہے۔ بہرحال اگر اس نے موت کے آثار نظر آنے سے پہلے پہلے (مَا لَمْ يُغَرْغِرْ) توبہ کر لی تو اس کو عذاب سے استثناء مل سکتا ہے۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ﴾ ''تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔''

اس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نامۂ اعمال میں جو برائیوں کا اندراج تھا وہ صاف کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ نیکیوں کا اندراج ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ توبہ کرنے سے انسان کے دامنِ اخلاق کے دھبے دُھل جاتے ہیں اور اس کا دامن صاف شفاف ہو جاتا ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۰﴾ ''اور اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱﴾ ''اور جس نے توبہ کی اور نیک اعمال کیے تو ایسا شخص توبہ کرتا ہے اللہ کی جناب میں جیسا کہ توبہ کرنے کا حق ہے۔''

یعنی توبہ کے بعد گناہوں سے کنارہ کش ہو گیا اور تقویٰ کی روش اختیار کر لی تو یہی اصل توبہ ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص زبان سے توبہ توبہ کے الفاظ ادا کرتا رہے اور استغفار کی تسبیحات پڑھتا رہے' سوا لاکھ مرتبہ آیت کریمہ پڑھوا کر ختم بھی دلائے مگر اس کی حرام خوری جوں کی توں رہے اور وہ گناہوں سے باز نہ آئے تو اس کی توبہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آیت ۷۲ ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ﴾ ''اور وہ لوگ جو جھوٹ پر موجود نہیں رہتے''

یہ صرف جھوٹ کی گواہی سے بچنے کی بات نہیں بلکہ اس سے ایسی بلند تر کیفیت کا ذکر ہے جس کے اندر جھوٹی گواہی سے بچنے کا مفہوم ضمنی طور پر خود بخود آ جاتا ہے۔ یعنی اللہ کے یہ نیک بندے حق وصداقت کی غیرت وحمیت میں اس قدر پختہ ہوتے ہیں کہ کسی ایسی جگہ پر وہ اپنی موجودگی بھی گوارا نہیں کرتے جہاں جھوٹ بولا جا رہا ہو یا جھوٹ پر مبنی کوئی دھندا ہو رہا ہو۔

﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝۷۲﴾ ''اور جب وہ کسی لغو کام پر سے گزرتے

ہیں تو باوقار انداز سے گزر جاتے ہیں۔''

اگر ان لوگوں کا کہیں اتفاق سے کسی کھیل تماشے اور لغو کام پر سے گزر ہو تو وہ اس سے اپنا دامن بچا کر بے نیازی سے گزر جاتے ہیں۔ یہی مضمون سورۃ المؤمنون میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳﴾ کہ مؤمنین ہر قسم کی لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔

آیت ۷۳ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝۷۳﴾ ''اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔''

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ایسے لوگ جب قرآنی آیات کو پڑھتے یا سنتے ہیں تو ان کا رویہ اندھوں یا بہروں جیسا نہیں ہوتا' بلکہ وہ ان پر غور وفکر اور تدبر کرتے ہیں۔ اور دوسرا مفہوم یہ کہ وہ قریشِ مکّہ کی طرح اندھے اور بہرے بن کر اللہ کی آیات کی مخالفت پر کمر نہیں کس لیتے۔ اس مفہوم میں اس آیت کا انداز طنزیہ ہوگا کہ جو رویہ مشرکینِ مکّہ نے کلام اللہ کے ساتھ اپنا رکھا ہے' اللہ کے نیک بندوں کا ایسا رویہ نہیں ہوتا۔ سورۂ محمد میں کفار کے اس رویے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝۲۴﴾ ''کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں؟'' بہرحال ''عباد الرحمٰن'' کے مقام ومرتبہ سے یہ بات فروتر ہے کہ وہ قرآن کو اندھے اور بہرے ہو کر مانیں یا پڑھیں۔

آیت ۷۴ ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما''

یعنی جس راستے پر ہم چل رہے ہیں' ہمارے اہل وعیال کو بھی اسی راستے پر چلنے والا بنا دے تاکہ ان کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں' کیونکہ اللہ کے ان نیک بندوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک تو اسی میں ہوگی کہ ان کے گھر والے بھی اللہ کے فرمانبردار بندے بنیں اور اللہ کی بندگی کے راستے کو اختیار کریں۔ اس کے برعکس اگر گھر کا سربراہ اللہ کے دین پر چلنے والا ہو اور اس کے اہل وعیال کی ترجیحات کچھ اور ہوں تو گھر کے اندر کشیدگی اور کشمکش کا ماحول

پیدا ہو جائے گا جو ان میں سے کسی کے لیے بھی باعث سکون نہیں ہوگا۔

﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۷۴﴾ ''اور ہمیں متقیوں کا امام بنا!''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ''عباد الرحمٰن'' امامت اور پیشوائی کے لیے بے قرار ہیں بلکہ اس دعا کو اس حوالے سے سمجھنا چاہیے کہ مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے اور اس کے بیوی بچے اس کے تابع اور پیروکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ گھر کے سربراہ کی دعا اور خواہش ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اہل وعیال کو بھی متقی بنا دے۔ اس امامت کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ میدانِ حشر میں ہر انسان کے اہل وعیال اور اس کی نسل کے لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوں گے۔ عباد الرحمٰن کی یہ دعا اس لحاظ سے بھی برمحل ہے کہ اے اللہ! میدانِ حشر میں ہم جن لوگوں کے سربراہ یا لیڈر بنیں ان کو بھی نیک اور پرہیزگار بنا دے' تاکہ وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ جنت میں داخل ہو کر ہماری خوشی اور اطمینان کا باعث بنیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیچھے آنے والی نسلوں کے لوگ جہنم کے مستحق ٹھہریں۔ حضورﷺ کا فرمان ہے: ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ))(۱) کہ تم میں سے ہر شخص کی حیثیت ایک چرواہے کی سی ہے اور تم میں سے ہر کوئی اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔ اس لحاظ سے ہر آدمی کے اہل وعیال اس کی رعیت ہیں اور اپنی اس رعیت کے بارے میں وہ مسئول ہوگا۔ چنانچہ ان کی ہدایت کے لیے اسے کوشش بھی کرنی چاہیے اور دعا بھی۔

آیت ۷۵ ﴿اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی جزا میں بالاخانے ملیں گے''

اللہ تعالیٰ دنیا میں بندوں کو آزماتا رہتا ہے۔ ایک نیک انسان کی زندگی میں ایسے بے شمار مواقع آتے ہیں جب اس کے سامنے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کا راستہ کھلا ہوتا ہے۔ یہ راستہ بے حد پرُکشش بھی ہے اور آسان بھی۔ دوسری طرف نیکی اور اللہ کی فرمانبرداری کے راستے پر استقامت کے ساتھ چلنے کے لیے قدم قدم پر انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے اور شہواتِ نفسانی کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک بندۂ مؤمن کی پوری زندگی ہی صبر سے عبارت ہے۔ چنانچہ اس کے اس صبر کا بدلہ اسے آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کی صورت میں دیا جائے گا۔

﴿وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۷۵﴾ ''اور ان میں ان کا استقبال کیا جائے گا

(۱) یہ حدیث بخاری و مسلم کی متعدد کتب وابواب میں موجود ہے۔

دعاؤں اور سلام کے ساتھ۔''

آیت ۷۶ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۷۶﴾ ''وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت ہی عمدہ جگہ ہے مستقل قیام کے لیے بھی اور تھوڑی دیر ٹھہرنے کے لیے بھی۔''

یہ گویا ان الفاظ کا تقابل (contrast) ہے جو آیت ۶۶ میں وارد ہوئے: ﴿سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۶۶﴾

آیت ۷۷ ﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ﴾ ''(اے نبیﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب کو تمہاری کوئی پروا نہیں' اگر نہ ہوتا تمہیں پکارنا۔''

بنی نوعِ انسان کو راہِ ہدایت دکھانے اور اس سلسلے میں ان پر اتمامِ حجت کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس قانون کی وضاحت سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۱۵﴾ کہ ہم کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتے جب تک ان کے درمیان رسول مبعوث نہ کر دیں۔ اسی حوالے سے یہاں حضورﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانا اور حق کی دعوت دینا مشیتِ الٰہی کے تحت ضروری نہ ہوتا تو میرے رب کو تم لوگوں کی کچھ بھی پروا نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت اور قانون کے تحت تمہاری طرف مبعوث فرما کر مجھے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ میں اس کا پیغام تم لوگوں تک پہنچاؤں۔ اس کے لیے میں سالہا سال سے تمہارے پیچھے خود کو ہلکان کر رہا ہوں۔ گلیوں اور بازاروں میں تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں' تمہارے گھروں میں جا کر تم لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ خفیہ اور علانیہ ہر طرح سے تم لوگوں کو سمجھاتا ہوں۔ تم لوگ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض ہے یا تمہارے بغیر میرے رب کا کوئی کام ادھورا پڑا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میرے رب کے حضور تمہاری حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں۔ اگر اللہ کو تمہیں راہِ ہدایت دکھا کر اتمامِ حجت کرنا منظور نہ ہوتا' اور اس کے لیے میرا تمہیں مخاطب کرنا ناگزیر نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے پیچھے پیچھے نہ پھرتا۔

﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۷۷﴾ ''اب جبکہ تم نے جھٹلا دیا ہے تو عنقریب یہ (عذاب تمہیں) چمٹ کر رہے گا۔''

یعنی تمہارے اس انکار کی پاداش میں تم لوگوں کو سزا مل کر رہے گی۔

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم ' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم oo

روزہ' رمضان اور قرآن

قرآن اکیڈمی لاہور میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا ۲۴ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ کا خطابِ جمعہ

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِo

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ
تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ
رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫
وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا
سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ
فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ (البقرۃ)

رمضان المبارک کی آمد کے موقع پر مجھے روزہ کی حکمت' اس کے احکام' اس کے لیے ماہِ رمضان المبارک کے انتخاب کی حکمت' اور پھر روزے اور رمضان کے پروگرام سے اصلاً جو کچھ حاصل ہونا چاہیے' اس کے بارے میں کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھنی ہیں۔

عربوں کے ہاں صوم کا قدیم تصور

پہلے تاریخی اعتبار سے یہ بات سمجھ لیجیے کہ اسلام کی جو عبادات ہیں ان میں سے بعض عبادات کسی نہ کسی صورت میں اہلِ عرب کے ہاں پہلے سے موجود تھیں۔ مثلاً لفظ ''صلوٰۃ'' ان کے ہاں پہلے بھی موجود تھا۔ وہ بھی نماز پڑھتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں تالیاں پیٹتے اور سیٹیاں بجاتے تھے' لیکن ''صلوٰۃ'' کے نام سے بہرحال ایک عبادت ان کے ہاں رائج تھی' جسے حضورﷺ کے زمانے میں آ کر یہ شکل دی گئی جس طرح آج ہم نماز ادا کر رہے ہیں۔ حج کا معاملہ تو اکثر و بیشتر صحیح طرز پر ہو رہا تھا۔ البتہ انہوں نے اپنے طور پر یہ طے کر رکھا تھا کہ ہم چونکہ کعبے کے متولی ہیں' لہٰذا ہم حرم کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ تو وہ باہر سے آنے والے لوگوں کے برعکس عرفات میں نہیں جاتے تھے' بلکہ منیٰ ہی میں مقیم رہتے تھے۔ ان کے اس طرزِ عمل کی اسلام نے اصلاح کر دی۔ باقی وہ قربانیاں بھی دیتے تھے اور طواف بھی کرتے تھے۔ تاہم تلبیہ وغیرہ میں انہوں نے مشرکانہ الفاظ اختیار کر رکھے تھے۔ زکوٰۃ' صدقات اور خیرات کا تصور بھی ان کے ہاں موجود تھا' بلکہ اس ضمن میں وہ ایک دوسرے سے مسابقت بھی کرتے تھے کہ اُس نے اتنے غریبوں کو کھانا کھلایا تو میں اس سے زیادہ کو کھلاؤں گا۔

البتہ جہاں تک روزے کا تعلق ہے وہ اس طرح کی کسی عبادت سے سرے سے واقف ہی نہیں تھے۔ چنانچہ ہمیں پورے مکی قرآن میں لفظ ''صوم'' نہیں ملتا۔ تاہم اہلِ عرب کے ہاں صوم کا ایک تصور موجود تھا' جہاں سے قرآن نے یہ لفظ اخذ کر کے اسے اس عبادت کے لیے عنوان بنایا ہے۔ ان کے ہاں صوم کا تصور یہ تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو بھوک' پیاس اور گرمی کی شدت برداشت کرنے کی مشق کراتے تھے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ان کے ہاں لڑائی' غارت گری اور خانہ جنگی زندگی کے معمول کی حیثیت رکھتی تھی اور اس طرح کی مہم جوئی میں انہیں تیز رفتار سواری کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کی عام سواری اونٹ تھا' جو اُن کے ماحول کے ساتھ مطابقت رکھتا تھا کہ اسے خواہ ہفتوں پینے کو پانی نہ ملے' کھانے کو کچھ نہ ملے تب بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بادِ سموم کی اسے کوئی

پروانہیں۔لیکن تیز دوڑنے کے لیے انہیں گھوڑا چاہیے تھا اور گھوڑا ایک نازک جانور ہے‘ اس کے اندر ایک تمکنت اور نزاکت ہے۔تو اسے ان سختیوں کا خوگر بنانے کے لیے وہ اسے بھوکا پیاسا رہنے کی مشق کراتے تھے۔مزید یہ کہ جب بادِ سموم چلتی تھی تو عرب بدو اپنا چہرہ تو کپڑے کے اندر لپیٹ لیتے تھے‘ لیکن گھوڑے کا مُنہ سیدھا اُس طرف رکھتے تھے جدھر سے لو آ رہی ہوتی‘ تاکہ اس میں اس جھلسا دینے والی ہوا کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا ہو جائے۔اس عمل کو وہ صوم کا نام دیتے تھے۔البتہ انسانوں کا روزہ رکھنا ان کے ہاں رائج نہیں تھا۔

روزے کے ابتدائی احکام

رسول اللہﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں آپؐ نے دیکھا کہ یہودی یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔آپؐ نے ان سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے بتایا کہ اس روز ہمارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو آلِ فرعون سے نجات ملی تھی۔فرعون اور اس کا لشکر غرق کیا گیا اور ہمیں آزاد کر دیا گیا‘ تو ہم اس دن کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔حضورﷺ نے فرمایا کہ موسیٰؑ کے ہم تم سے زیادہ حق دار ہیں۔پھر آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بھی یومِ عاشورہ کا روزہ رکھیں اور اس کے ساتھ ایک روزے کا اضافہ کریں تاکہ ان کا یہودیوں سے علیحدہ تشخص بھی قائم ہو جائے۔مسلمانوں میں روزے کی ابتدا یہاں سے ہوئی۔

اس کے بعد قرآن مجید میں روزے کا جو پہلا حکم آیا وہ اصل میں ایامِ بیض کے روزوں سے متعلق تھا۔چنانچہ حضورﷺ نے ہر ماہ تین روزے لازم کر دیے تھے۔قرآن مجید میں شریعت کے احکام میں تدریج آئی ہے۔نماز میں تو اس قدر تدریج آئی ہے کہ پہلے رات کا دو تہائی حصہ‘ آدھا حصہ یا ایک تہائی حصہ کھڑے رہنے کا حکم تھا۔اس کے بعد نرمی آنی شروع ہوئی۔باقی سب چیزوں میں شروع میں نرمی تھی‘ بعد میں رفتہ رفتہ سختی ہوئی۔شراب کے بارے میں پہلے صرف یہ کہا گیا کہ اس میں اگرچہ لوگوں کے لیے فائدہ بھی ہے‘ لیکن اس کے اندر گناہ کا پہلو زیادہ ہے۔پھر اگلا حکم آیا کہ اگر تم شراب کے نشے

میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔بہت سے لوگوں نے اسی پر شراب چھوڑ دی۔پھر سورۃ المائدۃ میں آخری حکم آ گیا جس میں اسے ’’رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ‘‘ قرار دے دیا گیا۔اہل عرب چونکہ روزے سے واقف نہیں تھے‘ اس کے عادی نہیں تھے‘ لہٰذا اگر ایک مہینے کے روزے فوراً رکھوا دیے جاتے تو یہ معاملہ ان کے لیے بہت مشکل ہو جاتا۔چنانچہ پہلے عادی بنانے کے لیے ہر ماہ تین دن‘ چاند کی تیرہویں‘ چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے لازم کیے گئے۔قرآن حکیم میں روزے کا پہلا حکم انہی ایامِ بیض کے روزوں کے بارے میں آیا ہے۔فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَیۡكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۳﴾﴾

’’اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلی اُمتوں پر فرض کیا گیا تھا‘ تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔‘‘

عام طور پر ’’صیام‘‘ کا ترجمہ جمع کے صیغے میں ’’روزے‘‘ کر دیا جاتا ہے‘ جو درست نہیں۔ ’’صیام‘‘ دراصل ’’صوم‘‘ کی جمع نہیں ہے‘ بلکہ مصدر ہے۔[صَامَ، یَصُوۡمُ، صَوۡمًا وَصِیَامًا] روزے کی فرضیت کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ فرما دیا گیا کہ یہ تمہارے لیے کوئی نیا حکم نہیں ہے‘ بلکہ تم سے پہلے جو اُمتیں گزر چکی ہیں ان پر بھی روزہ فرض کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہود اور نصاریٰ کے ہاں بھی روزے کی عبادت موجود تھی۔

روزے کا مقصد ـــــ حصولِ تقویٰ

آیت مبارکہ کے آخر میں روزے کا مقصد بایں الفاظ بیان فرمایا گیا: ﴿لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۳﴾﴾ ’’تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے‘‘۔تقویٰ کا معنی ہے اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچنا۔اس کا لفظی معنیٰ بچنا ہے۔یعنی دنیا میں اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچو گے‘ بُرے کاموں سے بچو گے تو آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ گے‘ جہنم سے بچ جاؤ گے۔تو یہ دونوں جگہ کا بچنا ہے۔اس روش کو تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔لیکن بعض قوتیں ایسی ہیں جو انسان کو اِس روش پر چلنے سے روکتی ہیں۔ان میں سے مثلاً ایک قوت

ہمارا اپنا نفس ہے۔ ہمارے نفسانی تقاضے اندھے بہرے ہیں۔ بھوک لگی ہے تو جو بھی مل جائے کھانا ہے' خواہ حلال ہے یا حرام! پیاس لگی ہے تو جو بھی مل جائے پینا ہے' چاہے جائز ہے یا ناجائز! شہوت کا جذبہ ابھرا ہے تو اسے پورا کرنا ہے' حرام یا حلال' جائز یا ناجائز' جس راستے سے بھی ہو۔ تو چونکہ انسان عام طور پر نفس کا غلام ہوتا ہے لہٰذا اس نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے روزے کی صورت میں ایک ایکسر سائز دی گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ملٹری میں ہر وقت مشقیں (exercises) کرائی جاتی ہیں۔ اگرچہ جنگ کی نوبت تو کبھی کبھار آتی ہے لیکن مسلح افواج کو اس کے لیے ہمہ وقت تیار رکھا جاتا ہے۔ ان پر ملکی بجٹ کا سب سے بڑا حصہ خرچ کیا جاتا ہے اور انہیں جنگی مشقوں میں مصروف رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح کی یہ ایک مشق ہے جو روزے کی صورت میں اہل ایمان سے کرائی جاتی ہے کہ وہ پورا مہینہ صبح سے شام تک حلال چیز بھی نہیں کھائیں گے۔ حالانکہ بھوک لگ رہی ہے' کھانا موجود ہے' لیکن نہیں کھائیں گے' اس لیے کہ اللہ کا حکم نہیں' روزہ رکھا ہوا ہے۔ پیاس لگ رہی ہے' پانی موجود ہے' لیکن نہیں پئیں گے' اس لیے کہ اللہ کی اجازت نہیں' روزہ رکھا ہوا ہے۔ جنسی جذبہ ابھرا ہے' بیوی موجود ہے یا قانونی جائز لونڈی موجود ہے' آپ اس جذبے کی تسکین کر سکتے ہیں' لیکن نہیں کریں گے' اس کی اجازت نہیں ہے' اس لیے کہ روزہ رکھا ہوا ہے۔ تو یہ مشق اگر آپ کریں گے تو آپ میں وہ قوت پیدا ہو جائے گی جس کو عام الفاظ میں ضبطِ نفس کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ اپنے نفس کو کنٹرول میں کر سکیں گے۔ اس نفس کا اور ہمارا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے ایک گھوڑے اور اس کے سوار کا ہے۔ اگر گھوڑا زیادہ طاقتور ہے اور سوار کمزور ہے تو گھوڑا اسے کہیں نہ کہیں پٹخ دے گا۔ لیکن اگر سوار طاقتور ہے' اس کی رانوں میں جان ہے اور اُس نے گھوڑے کو اپنی رانوں کے درمیان کسا ہوا ہے تو پھر گھوڑا سوار کے اشارے پر حرکت کرے گا۔ تو نفس اگر مُنہ زور ہے تو وہ آپ کو کسی بھی وقت کسی بھی گناہ میں ملوث کر دے گا۔ چنانچہ نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے آپ سے روزے کی یہ مشق کرائی جاتی ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل دو الفاظ کا فرق سمجھ لیجیے۔ ایک ہے ضبطِ نفس (self

control) اور ایک ہے نفس کُشی (self annihilation) نفس کُشی یعنی نفس کو کچل دینا اسلام میں نہیں ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر حق دار کو اس کا حق دیا جائے۔ چنانچہ نفس کا جو بھی حق ہے وہ ادا کیا جائے اور اس کی حق تلفی نہ کی جائے۔ اللہ نے تمہارے اندر بھوک کا داعیہ رکھا ہے تو اس بھوک کو جائز طریقے سے پورا کرو۔ اسی طرح جنسی تقاضا جائز ذریعے سے پورا کرو۔ یعنی ضبط نفس ہو' نفس کُشی نہیں۔ نفس کُشی رَہبانیت ہے اور رہبانیت کی ابتدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے کی تھی۔ سورۃ الحدید میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَرَهۡبَانِيَّةَ ۨابۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ﴾ ''اور رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کی' یہ ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی''۔ اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے۔ نفس کو کچلنا اسلام کی تعلیمات میں نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِنَّ لِنَفۡسِكَ عَلَيۡكَ حَقًّا)) ''یقیناً تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے''۔ لیکن اس کا حق جائز طریقے سے پورا کرو۔ نفس پر تمہارا کنٹرول ہونا چاہیے۔ نفس تو گھوڑا ہے' گھوڑے پر چڑھ کر تم جہاد کرو' اسے اللہ کے دین کے لیے استعمال کرو۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ تمہارا اس کے اوپر کنٹرول ہو۔ تو مجرد روزہ کی مشق ضبطِ نفس کے لیے ہے' جس کے لیے دینی اصطلاح تقویٰ (بچنا) ہے۔ یعنی نفس کے حملوں سے بچنا۔ لہٰذا حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلصَّوۡمُ جُنَّةٌ)) ''روزہ ڈھال ہے''۔ جیسے ڈھال سے آپ تلوار کے وار کو روکتے ہیں' سامنے سے اگر کوئی نیزہ لے کر آ رہا ہے تو اس کا وار آپ ڈھال پر روک لیتے ہیں' اسی طرح نفس کے حملوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیے روزے کی مشق دی گئی ہے۔ پہلے ہر مہینے میں تین دن یہ مشق کرائی گئی۔ اس میں ٹھنڈے دن بھی آ گئے' گرم دن بھی آ گئے۔ روزے کی فرضیت کے پہلے حکم میں کچھ رعایتیں بھی رکھی گئیں۔ لیکن جب یہ بات مزاجوں میں کچھ راسخ ہو گئی تو پھر رمضان کے روزوں کا حکم دیا گیا۔

''گنتی کے چند دن'' کا مفہوم

فرضیتِ صیام کے پہلے حکم کے ضمن میں ارشاد ہوا: ﴿اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ﴾ ''یہ گنتی

کے چند دن ہیں''۔ ہمارے جدید مفسّرین اور مترجمین نے اکثر و بیشتر یہاں بڑی ٹھوکر کھائی ہے کہ وہ ان دو آیات (۱۸۳'۱۸۴) کو بھی صومِ رمضان سے متعلق سمجھتے ہیں۔ میں اپنے نوجوانی کے دور سے' جبکہ میں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا اور درسِ قرآن دیا کرتا تھا' اس رائے کو درست نہیں سمجھتا تھا' بلکہ میرا وجدان یہ تھا کہ ان دو آیات کا تعلق ایامِ بیض کے تین روزوں سے ہے۔ بعد میں مجھے اسلاف سے اپنی رائے کی توثیق حاصل ہوگئی جب میرے علم میں آیا کہ بیہقیِ وقت مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی بھی اس ضمن میں یہی رائے ہے اور امام فخر الدین رازیؒ کی ''تفسیر کبیر'' میں بہت سے تابعین کی یہی رائے نقل ہوئی ہے کہ یہ رمضان کے روزوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ ایامِ بیض کے تین روزوں کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ﴾ ''گنتی کے چند دن ہی تو ہیں!'' ظاہر ہے تیس دنوں کو تو گنتی کے چند دن نہیں کہہ سکتے۔ اور ویسے بھی ''مَعۡدُوۡدَاتٍ'' جمع قلت کا وزن ہے اور اس کا اطلاق نو (۹) تک کے عدد پر ہوسکتا ہے' اس سے زائد پر نہیں۔ تو یہ تین دن کے روزے تھے۔

اس موقف کی تائید اگلے رکوع میں واردان آیات سے بھی ہوتی ہے جن میں حج کا ذکر آیا ہے۔ آیت ۲۰۳ میں منٰی میں قیام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ﴾ ''اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں''۔ یوں سمجھئے کہ مناسکِ حج ادا ہوگئے۔ وقوفِ عرفہ بھی ہوگیا' قیامِ مزدلفہ بھی ہوگیا' قربانی بھی ہوگئی' حلق بھی ہوگیا' طوافِ زیارت بھی ہوگیا۔ اب اس کے بعد تین دن یا دو دن منٰی میں مزید قیام ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ﴾ ''اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں''۔ ﴿فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ﴾ ''پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں''۔ ﴿وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ﴾ ''اور جو کوئی مؤخر کردے (تین دن پورے کرے) تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں''۔ تو اصل میں ﴿اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ﴾ وہ تین دن ہیں جن کے بارے میں مَیں نے آپ کو بتادیا۔

آگے اس ضمن میں دی گئی رعایتوں کا ذکر فرمایا: ﴿فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡ

عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ﴾ ''پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ تعداد پوری کر لے دوسرے دنوں میں''۔ ﴿وَعَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ فِدۡیَۃٌ طَعَامُ مِسۡکِیۡنٍ ؕ﴾ ''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں (پھر نہ رکھیں) تو ان کے ذمہ (ایک روزے کا) فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے''۔ اس رعایت کا تعلق بھی ایامِ بیض کے روزوں سے تھا کہ چونکہ تم ابھی روزہ رکھنے کے عادی نہیں ہو' لہٰذا اگر طبیعت آمادہ نہ ہو' اگرچہ نہ سفر پر ہو اور نہ بیمار ہو' تو فدیہ کے طور پر ایک مسکین کو کھانا کھلا کر روزہ قضا کر سکتے ہو۔ اگر بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرلو' ورنہ ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دو۔ آگے فرمایا: ﴿فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا فَہُوَ خَیۡرٌ لَّہٗ ؕ﴾ ''پھر جو اپنی خوشی سے زیادہ نیکی کمائے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے''۔ یعنی ایک کے بجائے زیادہ مسکینوں کو کھانا کھلائے' یا روزہ بھی رکھے اور مسکینوں کو بھی کھلائے تو یہ نورٌ علیٰ نور والا معاملہ ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۴﴾﴾ ''لیکن اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھ سے کام لو۔''

رمضانِ مبارک: نزولِ قرآن کا مہینہ

اب اگلی آیت میں ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم آیا۔ روزے کی یہ عبادت کسی بھی مہینے میں فرض ہوسکتی تھی' سارے مہینے اللہ کے ہیں' لیکن اس کے لیے ماہِ رمضان کا انتخاب اس لیے فرمایا گیا کہ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((رَمَضَانُ شَھۡرُ اللّٰہِ وَشَعۡبَانُ شَھۡرِیۡ)) ''رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ ہے''۔ چنانچہ آپ ﷺ ماہِ شعبان میں کثرت سے نفلی روزے رکھتے تھے۔ گویا رمضان کی تیاری ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کسی اور مہینے میں اتنی کثرت سے نفلی روزے نہیں رکھتے تھے جتنے شعبان میں رکھتے تھے۔

ارشاد ہوا: ﴿شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ﴾ ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا''۔ اور قرآن کی مدح کیا ہے؟ ﴿ہُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡہُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ۚ﴾ ''جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات

پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں‘‘۔ قرآن لوگوں کے لیے ہدایت و رہنمائی بنا کر نازل کیا گیا ہے اور یہ ہدایت و رہنمائی بھی گنجلک‘ مبہم یا پہیلیوں کے انداز میں نہیں‘ منطق کی زبان میں نہیں‘ بلکہ سادہ زبان میں‘ بڑے روشن‘ بہت واضح اور حق و باطل میں تمیز کر دینے والے مضبوط دلائل کی صورت میں ہے۔ یہاں قرآن حکیم کی متعدد شانوں میں سے تین اہم ترین شانیں بیان فرما دی گئیں کہ یہ صحیح راہ کی طرف راہنمائی کرنے والی کتاب یعنی الھدیٰ ہے‘ یہ بینات پر مشتمل ہے‘ اور یہ الفرقان یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔

یہاں یہ جو فرمایا گیا کہ ’’رمضان کے مہینے میں قرآن نازل ہوا‘‘ تو اس کا مفہوم کیا ہے؟ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حضورﷺ پر یہ قرآن تیئیس (۲۳) سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ چنانچہ یہاں وارد ہونے والے الفاظ کے دو مفہوم مراد لیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ماہِ رمضان میں وہ رات ہے جسے ’’لیلۃ القدر‘‘ کا نام دیا گیا ہے اور جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر اور افضل ہے۔ اس رات میں قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔ جبکہ ایک مفہوم یہ ہے کہ اس مبارک رات میں پورا قرآن لوحِ محفوظ یا کتابِ مکنون سے سمائے دنیا تک اتار دیا گیا جو ہمارا سب سے قریب کا آسمان ہے۔ پھر یہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے رسول اللہﷺ پر جستہ جستہ نازل کرتے رہے۔

عربی میں ’’اِنزال‘‘ اور ’’تنزِیل‘‘ میں وہی فرق ہے جو اِعلام اور تعلِیم میں ہے۔ ’’اِعلام‘‘ ہے کسی کو کچھ بتا دینا‘ جبکہ ’’تعلیم‘‘ ہے کسی کو کچھ سکھانا‘ اور سکھانے میں محنت کرنی پڑتی ہے‘ بار بار سمجھانا پڑتا ہے‘ ذہن نشین کرانا پڑتا ہے۔ اسی طرح اِنزال دفعۃً کسی چیز کو اتار دینا ہے‘ اور تنزیل (تعلیم کے وزن پر) تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ دونوں الفاظ آئے ہیں۔ قرآن مجید میں لیلۃ القدر کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۱)﴾ ’’اَنْزَلْنٰهُ‘‘ انزال سے ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ میں ’’اُنْزِلَ‘‘ بھی انزال سے ہے۔ لیکن سورۂ بنی اسرائیل میں رسول اللہﷺ سے فرمایا گیا: ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى

النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (۱۰۶)﴾ ’’اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سنائیں اور اسے ہم نے (موقع موقع سے) بتدریج اتارا ہے‘‘۔ یہاں نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا فرمایا۔ سورۃ الشعراء میں ارشاد ہوا: ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۹۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (۱۹۳) عَلٰي قَلْبِكَ......﴾ ’’یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے۔ (اے نبیﷺ!) اس قرآن کو لے کر آپ کے دل پر امانت دار روح (مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں) اتری ہے‘‘۔ آپﷺ کے قلب مبارک پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ یہ تنزیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے کلام کی مدح و تعریف اور عظمت کے بیان میں کئی انداز اور اسلوب اختیار فرمائے ہیں۔ اس موضوع پر میری تقاریر اور کتابچے موجود ہیں۔

رمضانِ مبارک میں روزہ کی فرضیت

آگے فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ﴾ ’’پس جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو اُس پر لازم ہے کہ وہ اس کے روزے رکھے‘‘۔ اس حکم کے آنے کے بعد اب یہ اختیار نہیں رہا کہ اگر خود روزہ نہ رکھو تو ایک مسکین کو کھانا کھلا دو۔ ہاں اس اختیار کو حضورﷺ نے اپنے حکم سے اُن مرد و زن کے لیے قائم رکھا جو بہت بوڑھے ہوں اور ان سے فاقہ برداشت نہ ہو سکتا ہو‘ اس میں جان جانے کا اندیشہ ہو۔ ان کے لیے رخصت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ یا کوئی ایسے مرض میں مبتلا ہے جس سے شفایاب ہونے کی اب توقع نہیں ہے۔ مثلاً ذیابیطس اس انتہا کو پہنچی ہوئی ہے کہ ڈاکٹر بھی کہتے ہیں کہ بھئی اب تو آپ کو اس کے ساتھ ہی زندگی گزارنی ہے اور اس کے ساتھ یہ احتیاطیں کرنی ہیں۔ اور ذیابیطس کا مریض فاقہ برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے لیے جو پہلے ایک اضافی رعایت تھی اسے حضورﷺ نے باقی رکھا‘ ورنہ اب رمضان کے روزے فرض ہیں۔

آگے وہی الفاظ دہرا کر لائے گئے جو پہلے حکم کے ساتھ آئے تھے: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ﴾ ’’اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ

دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) گنتی پوری کر لے‘‘۔ ان الفاظ کی تکرار اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ آیات ایک وقت میں نازل نہیں ہوئیں‘ بلکہ یہ دو مختلف اوقات میں نازل ہوئیں اور ترتیب میں حضور ﷺ کے حکم سے یہاں رکھ دی گئیں۔ یہاں پر وہ سابقہ رعایت ابھی تک برقرار ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو روزہ چھوڑ دے اور اسے دوسرے دنوں میں رکھ لے۔ لیکن اس ضمن میں ہمارے ہاں بعض لوگوں کا رویہ بڑا متشددانہ ہوتا ہے اور وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ عام طور پر سفر میں بھی لوگ روزہ رکھتے ہیں۔ ۱۰۴ بخار چڑھا ہوا ہے‘ لیکن روزہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔ گویا بڑا تقویٰ دکھا رہے ہیں اور بڑی دینداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر اللہ نے اجازت دے رکھی ہے تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫﴾ ’’اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے‘ سختی نہیں چاہتا ہے‘‘۔ لیکن لوگ اپنے اوپر سختی کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ)) ’’سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں سے نہیں ہے‘‘۔ نیکی کا یہ تصور تو تم نے اپنے دل میں گھڑ لیا ہے۔ آج کل کا سفر اگرچہ باسہولت ہوتا ہے لیکن سفر تو سفر ہے۔ گھر میں جو سکون واطمینان ہوتا ہے وہ کبھی سفر میں نہیں ہوتا‘ انسان کے معمولات بدلے ہوئے ہوتے ہیں‘ لہٰذا اللہ نے جو رعایت دی ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس ضمن میں ایک انتہا یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر سفر میں روزہ رکھا تو روزہ ہوا ہی نہیں‘ اس کی قضا دینی پڑے گی‘ کیونکہ وہ روزہ تم پر فرض نہیں تھا‘ اور جو تم نے رکھا وہ تو نفلی ہو گیا اور تمہارا فرض روزہ قضا ہو گیا‘ لہٰذا اب تمہیں قضا دینی پڑے گی۔ واللہ اعلم! بہرحال ارشاد ہوا: ’’اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے‘ سختی نہیں چاہتا۔‘‘

اس کے فوراً بعد فرمایا: ﴿وَ لِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ﴾ ’’(اس لیے تمہیں یہ طریقہ بتایا جا رہا ہے) تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو‘‘۔ یہ رعایتیں ضرور ہیں‘ لیکن چھوٹ نہیں ہے‘ تعداد بہرحال پوری کرنی ہو گی۔ اور اس معاملے میں اس قدر سختی ہے کہ اگر آپ نے

رمضان المبارک کا کوئی روزہ بغیر کسی عذر کے چھوڑ دیا یا کوئی روزہ بلاعذر کسی وجہ سے توڑ دیا تو اس کی قضا ساٹھ روزے ہوں گے۔ اس کے بدلے میں آپ کو متواتر ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے۔ آگے فرمایا: ﴿وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ہَدٰىکُمۡ﴾ ’’اور تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو اس پر کہ جو ہدایت اس نے تمہیں دی ہے‘‘۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ کی تکبیر کرو‘ اللہ کی کبریائی کا اظہار کرو‘ اللہ کی بڑائی نافذ کرو۔ قرآن دیا گیا ہے تو اس کے احکام نافذ کرو‘ اس کے احکام پر عمل کرو‘ اس کے نظام کو قائم کرو! یہ تو بڑا اونچا مفہوم ہے۔ اور ایک اس کی عملی شکل یہ ہے کہ عید کے لیے جاتے ہوئے تکبیریں پڑھو‘ واپس آتے ہوئے تکبیریں پڑھو۔ تکبیر پڑھتے ہوئے ایک راستے سے جاؤ اور راستہ بدل کر دوسرے راستے سے واپس آؤ۔ لوگ اب ان آداب کو بھی بھول چکے ہیں۔ عید کی سویاں تو سب کو یاد ہیں‘ لیکن یہ یاد نہیں کہ عید کے لیے جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے تکبیریں کہنی ہیں: اَللّٰہُ اَکْبَرُ‘ اَللّٰہُ اَکْبَرُ‘ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ پھر جب ہم عید کی دو رکعتیں پڑھتے ہیں تو اس میں چھ اضافی تکبیریں ہیں۔ اہلحدیث کے نزدیک بارہ ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ جو تم پر اللہ کا انعام ہوا ہے کہ اس نے تمہیں قرآن کی شکل میں ہدایت دی ہے تو اس پر اللہ کی تکبیر کرو۔ ساتھ ہی فرمایا: ﴿وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾﴾ ’’اور تاکہ تم شکر کر سکو۔‘‘

رمضان مبارک کے دو متوازی پروگرام ــــ صیام وقیام

آیت مبارکہ کا مذکورہ بالا ٹکڑا ذرا غور سے سمجھنے کا ہے۔ اصل میں رمضان مبارک کا جو دوگونہ پروگرام ہے‘ قرآن میں اس کی ایک شق بیان ہوئی ہے‘ جبکہ دوسری شق کی وضاحت محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔ اگر اس کا ذکر قرآن میں آ جاتا تو یہ بھی فرض ہو جاتی۔ رمضان کے اس پروگرام کی دوسری شق ’’قیام اللیل‘‘ ہے۔ رمضان مبارک کے لیل ونہار کا دوگونہ پروگرام یہ ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے اور رات کا اکثر حصہ کھڑے ہو کر قرآن حکیم پڑھا جائے یا سنا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری دن صحابہ کرام ؓ کو خطبہ دیا تھا جس کے

راوی حضرت سلمان فارسیؓ ہیں ---- ان کو حضورﷺ سے اس قدر قرب تھا اور حضورﷺ کو ان سے اتنی محبت تھی کہ آپؐ نے فرمایا کہ سلمان بھی ہمارے اہل بیت میں سے ہیں ---- تو وہ راوی ہیں کہ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ آخِرِ یَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: ''ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اللہ کے رسولﷺ نے شعبان کے آخری دن' اور فرمایا''۔ ((یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ)) ''اے لوگو! تم پر ایک بڑا عظمتوں والا مہینہ سایہ فگن ہو گیا ہے''۔ ظل سائے کو کہتے ہیں۔ قَدْ اَظَلَّکُمْ کی بہترین تعبیر مجھے انگریزی کے اس محاورے میں ملتی ہے: Coming events cast their shadows before یعنی آنے والے واقعات اپنا کچھ سایہ پہلے سے بھیجنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو اگرچہ رمضان کا مہینہ ابھی شروع نہیں ہوا' ابھی تو شعبان ہے' لیکن رمضان کا عکس آنا شروع ہو گیا ہے۔ تو فرمایا: تم پر سایہ فگن ہو گیا ہے ایک بڑا عظمتوں والا مہینہ ((شَھْرٌ مُّبَارَکٌ)) ''بڑی برکتوں والا مہینہ''۔ ((شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ)) ''وہ مہینہ جس میں ایک رات وہ بھی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے''' یعنی لیلۃ القدر۔ ((جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً)) ''اللہ نے اس کا روزہ رکھنا فرض کر دیا ہے''۔ ((وَقِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا)) ''اور اس کی راتوں کو کھڑا رہنا تمہاری مرضی پر چھوڑ دیا ہے''۔ قیام اللیل تو ہر شب میں نفل ہے' آپ کسی بھی رات اٹھ کر تہجد پڑھیں' اس کی بڑی فضیلت ہے' لیکن اس حدیث مبارک میں رمضان مبارک کی راتوں کے قیام کی اضافی ترغیب وتشویق اور تاکید ہے۔ چنانچہ الفاظ آئے ہیں: ((جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَقِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا)) ''اللہ نے اس کا روزہ فرض قرار دیا ہے اور اس کی راتوں کا قیام تطوع ٹھہرایا ہے''۔ حضورﷺ نے صیام اور قیام دونوں کی نسبت اللہ کی طرف ٹھہرائی ہے۔

اب ہمیں قیام اللیل کی حقیقت سمجھنی ہے۔ قیام اللیل سے مراد ہے رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور اس میں قرآن کی تلاوت کرنا۔ قیام اللیل کے بارے میں رسول اللہﷺ کو سب سے پہلا حکم ان الفاظ میں ملا تھا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا

قَلِیْلًا ۝۲﴾ ''اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ)! کھڑے رہا کرو رات کو سوائے اس کے تھوڑے سے حصے کے''۔ اب اگلی آیت میں اس کی تفصیل کی گئی: ﴿نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ۝۳﴾ ''آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر لو''۔ آدھی میں سے کچھ کم کریں تو تہائی رات بنتی ہے۔ ﴿اَوْ زِدْ عَلَیْہِ﴾ ''یا اس پر کچھ زیادہ کرو''۔ گویا کہ دو تہائی رات۔ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝۴﴾ ''اور پڑھتے رہا کرو قرآن کو ترتیل کے ساتھ''۔ یعنی خوب ٹھہر ٹھہر کر' اس کے انوار کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے' اسے اپنے روح اور قلب پر اتارتے ہوئے۔ یہ ہے قیام اللیل۔

اسی سورۃ المزمل کے آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ﴾ ''(اے نبیﷺ!) آپ کے ربّ کو خوب معلوم ہے کہ آپ کبھی دو تہائی رات کے قریب' کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات قیام کرتے ہیں اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ کا بھی یہ معمول ہے''۔ گویا ایک تہائی رات سے کم پر ''قیام اللیل'' کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر ((جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَقِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا)) پر عمل کرنا ہے تو پھر کم از کم ایک تہائی شب کا قیام تو کریں' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دو تہائی اور آدھی شب قرآن کے ساتھ بسر کریں۔ قرآن کو پڑھیں' اسے اپنے قلب و روح پر اتاریں' اس کے انوار و تجلیات کو اپنے اندر جذب کریں' تب بات پوری ہو گی۔

اس سلسلے میں دو اور حدیثیں ملاحظہ کیجیے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((اَلصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ ' یَقُوْلُ الصِّیَامُ: اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ ' وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ ' فَیُشَفَّعَانِ)) (رواہ احمد والطبرانی والبیھقی)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''روزہ اور قرآن (قیامت کے روز) بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ

عرض کرے گا: اے ربّ! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے پینے اور خواہشاتِ نفس سے روکے رکھا‘ تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! اور قرآن یہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے رکھا‘ لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی شفاعت بندے کے حق میں قبول کی جائے گی۔‘‘

اس حدیث پاک میں قرآن کریم کی سفارش جن الفاظ میں نقل ہوئی ہے اس پر ذرا غور کیجیے: ((وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ)) ’’قرآن کہے گا: میں نے اسے روکے رکھا نیند سے رات کے وقت‘‘۔ اب خود ہی فیصلہ کیجیے کہ آپ گھنٹہ بھر میں جو تراویح پڑھ لیتے ہیں اس سے آپ کی نیند میں کوئی کمی ہوتی ہے؟ آج کل گیارہ بجے سے پہلے تو کوئی سوتا ہی نہیں‘ گویا رات ہی نہیں ہوتی‘ تو آپ نے نیند کی کوئی قربانی دی؟ ہاں ایک تہائی یا دو تہائی رات اگر جاگیں گے تو قربانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزہ اور قرآن دونوں کی شفاعت کا مستحق بنائے۔ آمین!

اگلی حدیث میں دن کا روزہ اور رات کا قیام دونوں کو بالکل متوازی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَـہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ‘ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَـہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ)) (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے‘ اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔‘‘

صیام وقیام میں ’’احتساب‘‘ کا مفہوم

اس حدیث مبارک میں دن کا روزہ اور رات کا قیام‘ دونوں کے ساتھ ایمان اور

احتساب کی شرط بیان ہوئی ہے۔ ’’اِحْتِسَابًا‘‘ کے دو ترجمے ہیں۔ ایک یہ کہ اجر وثواب کی نیت سے‘ اور دوسرے یہ کہ خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ۔ یعنی روزہ رکھ کر انسان اپنے نفس کا بھی احتساب کرتا رہے۔ یہ نہ ہو کہ روزہ بھی رکھا ہوا ہے اور جھوٹ بھی بول رہا ہے‘ دھوکہ بھی دے رہا ہے اور سودی کاروبار بھی کر رہا ہے۔ اس طرح اس کا روزہ کہاں ہوا؟ اس ضمن میں تین احادیث مبارکہ ملاحظہ کیجیے:

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَـہٗ وَشَرَابَـہٗ))

(رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص (روزہ کی حالت میں) جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔‘‘

ایسا شخص گویا فاقہ کر رہا ہے‘ اس کے روزے سے اسے کچھ حاصل نہیں ہو رہا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اسی طرح اگر کوئی شخص رٹی رٹائی سی کوئی چیز سن رہا ہے‘ اس نے نہ تو قرآن کو سمجھا نہ اس پر کوئی غور کیا‘ تو وہ رات کا جاگنا بھی بے کار ہے۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَـہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلاَّ الظَّمْأُ وَکَمْ مِنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَـہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلاَّ السَّھَرُ)) (رواہ الدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ جنہیں سوائے پیاس کے اُن کے روزہ سے کچھ نہیں ملتا‘ اور کتنے ہی قیام کرنے والوں کو ماسوا بے خوابی کے ان کے قیام سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔‘‘

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَـہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلاَّ الْجُوْعُ وَرُبَّ قَائِمٍ لَیْسَ لَـہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلاَّ السَّھَرُ)) (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہت سے روزہ داروں کو ان کے روزہ سے سوائے بھوک کے کچھ حاصل نہیں ہوتا' اور بہت سے قیام کرنے والوں کو رت جگے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔''

دونوں حدیثیں ایک ہی مفہوم کی حامل ہیں کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کا نہ کوئی روزہ ہے نہ کوئی ثواب ہے' نہ کوئی روحانیت ہے نہ کوئی تقویٰ ہے۔ اسی طرح بہت سے رات کو کھڑے رہنے والے بھی ایسے ہیں جنہیں اپنے قیام سے سوائے رت جگے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ نیند تو گئی' لیکن ملا کچھ نہیں۔ قیام اللیل تو تب ہوگا جب قرآن آپ کے ذہن میں اترے' آپ کے قلب میں اترے' آپ کے اندر اس کے انوار جذب ہوں۔ تب تو کوئی فائدہ ہے' ورنہ کوئی فائدہ نہیں۔

متذکرہ بالا احادیث میں آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک کے دوگونہ پروگرام میں صیام اور قیام متوازی اور برابر برابر ہیں' لیکن ہمارے ہاں ''قیام اللیل'' کی جو صورت تراویح کے نام سے رائج ہے یہ کسی طرح بھی دن بھر کے روزے کے متوازی اور برابر نہیں ہے۔ لہٰذا غور طلب بات ہے کہ اس کا حل کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا قیام اللیل

اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کوئی نماز تراویح نہیں تھی' کوئی اجتماعی نماز نہیں تھی' بلکہ ترغیب وتشویق تھی کہ اپنے طور پر رات کو جاگ کر قیام کرو' اس میں قرآن پڑھو اور اسے سمجھو' اس پر غور کرو' تدبر کرو۔ حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے میں بھی قیام اللیل کی کوئی اجتماعی صورت نہیں تھی۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں تین رات باجماعت نوافل پڑھائے ہیں' جنہیں آپ تراویح کہہ سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ نوافل تہجد کے وقت پڑھائے اور ان کی تعداد آٹھ تھی۔ اس لیے کہ وہ آپ کی تہجد تھی' جس میں ہمیشہ آٹھ ہی نفل ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی تہجد ہمیشہ آٹھ نفل اور تین وتر کل گیارہ رکعتوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ ایک

رمضان مبارک میں آپ ؐ نے تین رات تہجد کی جماعت کرا دی تھی۔ چوتھی رات حضور ﷺ برآمد نہیں ہوئے۔ لوگ کھنکارتے بھی رہے کہ شاید حضور ﷺ کی آنکھ نہیں کھلی' لیکن حضور ﷺ باہر تشریف نہیں لائے۔ صبح آپ ؐ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں مسلسل یہ نماز پڑھاتا تو یہ تم پر فرض ہو جاتی اور یہ تمہارے لیے بہت مشقت والی بات ہوتی۔ اس لیے کہ مسلمان غریب بھی ہیں' امیر بھی ہیں۔ دن بھر مشقت کرنے والے لوگ اگر دن کا روزہ ہی رکھ لیں تو بہت بڑی بات ہے۔ مزدور بیچارہ جو تعمیر میں لگا ہوا ہے' وہ دن کا روزہ رکھنے کے بعد رات کو بھی دو تہائی' ایک تہائی یا آدھی رات تک جاگے' یہ اس کے لیے ممکن نہیں۔ ہمارے اہل حدیث حضرات اسی حدیث کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ تراویح تو بس آٹھ رکعت ہے! حالانکہ بھئی اگر آپ کو یہی حدیث لینی ہے تو پھر صرف تین دن تراویح پڑھیں' اور پڑھیں بھی صرف تہجد کے وقت۔

تراویح اور اجماعِ اُمت

تراویح کا معاملہ یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ اپنے دورِ خلافت میں ایک رات رمضان مبارک کے دوران مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے تو آپ ؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک کونے میں کھڑے ایک امام کے پیچھے قرآن سن رہے ہیں' کچھ لوگ دوسرے کونے میں اسی طرح استماعِ قرآن میں مشغول ہیں۔ اس طرح پوری مسجد میں بیک وقت کئی جماعتیں ہو رہی تھیں۔ حضرت عمر ؓ نے قیام اللیل کا یہ نقشہ دیکھا تو فرمایا کیوں نہ ان کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا جائے! چنانچہ آپ ؓ نے فیصلہ کیا کہ عشاء کے فوراً بعد سب مل کر بیس رکعت نماز باجماعت ادا کریں گے۔ یہ اجتہاد ہے حضرت عمر فاروق ؓ کا' اور اہلِ سنت والجماعت کے چاروں فقہی مسالک حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی سب اس پر متفق ہیں۔ آٹھ رکعات تراویح اہل حدیث حضرات نے نئی بات نکالی ہے۔ ہمارے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان رہنا چاہیے: ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ)) ''تم پر لازم ہے میری سنت کی پیروی اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی' جو ہدایت یافتہ ہیں''۔ خلیفۂ راشد کے اجتہاد کو اجماعِ اُمت کی حیثیت حاصل

ہے۔ ہم اہل سنت والجماعت ہیں‘ لہٰذا سنتِ نبویؐ کے بھی پابند ہیں اور خلافت راشدہ کے دوران ہونے والے اجماعِ اُمت کے بھی پابند ہیں۔

سعودی عرب کا معاملہ یہ ہے کہ چونکہ وہاں کا سرکاری مذہب حنبلی ہے‘ لہٰذا مسجدِ نبویؐ اور مسجد حرام دونوں جگہ بیس تراویح ہوتی ہیں۔ البتہ محلوں کے اندر جو مساجد ہوتی ہیں ان میں آٹھ آٹھ تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ اس لیے کہ وہاں پر عوام اور علماء کی اکثریت اہل حدیث ہے۔ البتہ رمضان مبارک کے آخری عشرے میں حرمین شریفین میں بیس تراویح کے علاوہ ایک قیام اللیل مزید ہوتا ہے‘ جو گویا رسول اللہ ﷺ کی متذکرہ بالا سنت پر جزوی طور پر عمل ہے۔ یہ بڑی پیاری نماز ہے جو نصف شب کے بعد ’’قیامُ اللّیل‘‘ کے نام سے ادا کی جاتی ہے اور اس میں آٹھ نوافل کے اندر تین سوا تین پارے روزانہ پڑھے جاتے ہیں اور اس طرح ایک اور اضافی ختم قرآن ہو جاتا ہے۔ میں نے ۱۹۷۱ء میں اس میں شرکت کی تھی اور اس کی لذت مجھے آج تک یاد ہے۔

روح کی غذا کا اہتمام

اب یہ جو رمضان کا دوگونہ پروگرام ہے‘ دن کا روزہ اور رات کا قیام بالقرآن‘ اس کا حاصل کیا ہے؟ پہلا حاصل تو یہ ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۸۵﴾ ’’تاکہ تم شکر کرسکو‘‘۔ تمہارے اندر قرآن کی عظمت جاگزیں ہو جائے۔ قراءت و استماعِ قرآن سے ہماری پیاسی روح سیراب ہو گی۔ ہمارا جسم زمین سے آیا ہے‘ اور اسی زمین سے ہمارے لیے زندگی کی تمام ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ ہمیں پینے کو پانی یہیں سے مل رہا ہے‘ ہماری تمام خوراک براہِ راست یا بالواسطہ زمین ہی سے حاصل ہو رہی ہے۔ جبکہ ہماری روح اللہ کے پاس سے آئی ہے۔ ہمارا جسم تو اس زمین سے آیا ہے اور یہیں چلا جائے گا‘ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝۵۵﴾ (طٰہٰ) ’’اسی (مٹی) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں (قیامت کے دن) دوبارہ اٹھا کھڑا کریں گے‘‘۔ جبکہ ہماری روح کا معاملہ یہ ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ ہماری روح اللہ کے

پاس سے آئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ (آیت ۸۵) ’’اور یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ روح تو میرے ربّ کے امر میں سے ہے‘‘۔ یہ زمین میں دفن ہونے والی شے نہیں ہے‘ یہ زمینی نہیں آسمانی شے ہے اور وہیں لوٹ جاتی ہے۔ اس روح کو بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے‘ لیکن اس طرف ہماری توجہ ہی نہیں ہوتی۔ ہمیں جسم کی تو ہر وقت فکر ہے۔ بھوک لگ رہی ہو فوراً کھانے کی طرف لپکتے ہیں‘ جسم کے دوسرے تقاضے بھی فوری طور پر پورے کرنے کی کوشش کرتے ہیں‘ لیکن روح کی فکر ہم نہیں کرتے۔ چنانچہ ہماری روح دب جاتی ہے‘ مضمحل ہو جاتی ہے‘ کمزور ہو جاتی ہے‘ بے ہوش ہو جاتی ہے‘ یہاں تک کہ مر بھی جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے: ﴿فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (الروم:۵۲) ’’پس (اے نبی ﷺ!) آپ ان مُردوں کو نہیں سنا سکتے‘‘۔ یہ مُردہ ہیں‘ انہیں زندہ مت کہو۔ ان میں جان تو ہے‘ روح نہیں ہے۔ ان کی روح مر چکی ہے۔ روح ان کے دلوں کے اندر دفن ہو چکی ہے۔ لیکن اگر یہ روح ابھی مری نہیں ہے‘ کمزور ہے‘ تو اسے آپ غذا دیں گے تو اس کے اندر طاقت آئے گی۔ جس طرح جسم کی غذا زمین سے آتی ہے اسی طرح روح کی غذا آسمان سے آتی ہے۔ چونکہ وہ خود آسمان سے آئی ہے لہٰذا وہیں سے اس کی غذا آتی ہے۔ قرآن اس کی غذا ہے۔ چنانچہ اس قرآن کے ذریعے سے راتوں کو کھڑے رہ کر اس روح کو تقویت دو‘ اسے مضبوط کرو‘ اسے طاقت مہیا کرو۔ مرغن کھانوں سے جسم میں طاقت ضرور آتی ہے لیکن اس سے روح دب جاتی ہے۔ جتنا نفس کا دباؤ بڑھے گا‘ روح اتنی ہی دب جائے گی۔ دن بھر روزہ رکھنے سے آدمی کا جسم کچھ نہ کچھ مضمحل ہو جاتا ہے۔ چاہے سردی کا روزہ ہو‘ شام کے وقت ایک اضمحلال ہوتا ہے۔ روزے سے اگر جسم کا وزن کچھ کم ہوا تو روح کو کچھ ریلیف ملا۔ پھر آپ نے رات کو کھڑے ہو کر قرآن کے ذریعے سے اس کی آبیاری کی تو وہ تروتازہ ہو گئی۔ جب وہ تروتازہ ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آگے فرمایا: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (ان کو بتا دیجیے) میں تو قریب ہی ہوں''۔ میں دُور نہیں ہوں۔ ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ ''میں ہر دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں' جب اور جہاں مجھے پکارے''۔ صیام و قیام کے نتیجے میں جب ایک بندۂ مؤمن کی روح کو تقویت حاصل ہوئی اور اس کے قلب میں شکر کا جذبہ اُبھرا تو اس کا عین تقاضا ہے کہ وہ اب اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو اور اس کے سامنے اپنا دستِ سوال دراز کرے۔

اب بندے کے دل میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میرا رب مجھ سے کتنی دور ہے؟ اس آیت میں اس سوال کا جواب دوٹوک انداز میں دے دیا گیا۔ یہاں گویا مذہبی استحصال سے نجات کا ایک میگنا کارٹا دے دیا گیا ہے۔ دنیا میں استحصال کی مختلف صورتیں رائج ہیں۔ ایک سیاسی استحصال ہوتا ہے' جبکہ ایک مذہبی استحصال ہے جس میں اللہ اور بندے کے درمیان پردے حائل کر دیے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں مذہبی استحصال کا بہت بڑا ادارہ (institution) بزرگوں کے مزارات ہیں۔ ان کے مجاوروں کا دعویٰ ہوتا ہے کہ یہاں جو پیر دفن ہیں وہ چونکہ بڑے اونچے رتبے والے ہیں لہٰذا یہاں چادر چڑھاؤ' نذرانہ جمع کراؤ' کچھ پیسے ہمیں دو' ہم ان کے مجاور ہیں' تو اللہ تمہاری دعا سنے گا۔ بعینہٖ یہی موقف بتوں کے پجاریوں کا ہوتا ہے۔ سومنات میں جو بہت بڑا بت نصب تھا اس کے پجاری لوگوں کا مذہبی استحصال کر رہے تھے کہ ہماری مٹھی گرم کرو' یہاں چڑھاوے چڑھاؤ' خزانے میں سونے چاندی کے سکے ڈالو تو تم پر بھگوان کی نظر کرم ہو گی۔ چنانچہ خزانے کے اندر بے شمار پیسہ جمع تھا جو اُن پجاریوں کی ملکیت تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے وہ بت توڑا تو سارا خزانہ ساتھ لے گیا۔ اور عجیب بات ہے' لطیفہ بھی ہے' کہ یہ جو مذہبی استحصال کرنے والے طبقات ہیں وہ سب ''پ'' سے بنتے ہیں۔ (i) پجاری (ii) پروہت (iii) پنڈت (iv) پیر (v) پوپ —— دیکھیے یہ پانچ پ

(PPPPP) جمع ہو گئی ہیں۔ ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ کے الفاظ کے ذریعے انسان کو اس مذہبی استحصال سے یکسر آزادی عطا کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرا گھر ہر وقت کھلا ہے' جب چاہو مجھ سے بات کرو۔ نماز پڑھنے کے لیے اور قرآن کی تلاوت کے لیے تو وضو کی ضرورت ہوتی ہے' جبکہ مجھے پکارنے کے لیے وضو کی ضرورت بھی نہیں۔ جب چاہو مجھے پکارو! ''اِذَا دَعَانِ'' کا صحیح ترجمہ ہوگا ''جہاں اور جب'' (there and then) ''میں تو پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جہاں اور جب وہ مجھے پکارے''۔ یہ تو تم ہی غافل ہو کہ ہماری طرف توجہ ہی نہیں کرتے' تمہاری ساری توجہ دنیا کی طرف ہے' دنیا کے عیش اور اس کی سہولتوں کی طرف ہے کہ دنیا میں ہماری حیثیت زیادہ سے زیادہ ہو جائے' ہمارا رعب زیادہ ہو جائے۔ ہماری طرف تمہاری توجہ کہاں ہے؟

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ راہروِ منزل ہی نہیں!

اللہ کی طرف متوجہ ہونے والا ہمارا نفس نہیں ہو سکتا' ہماری روح ہو سکتی ہے' اور روح ہم نے دبا رکھی ہے۔ ہماری روح کمزور ہے' مضمحل ہے' کیا پتا مر ہی چکی ہو۔ ہم یہ نہیں دیکھتے کہ حلال کھا رہے ہیں یا حرام کھا رہے ہیں۔ ہم نے بینک سے قرضہ لے کر مکان تو بڑا شاندار بنا لیا لیکن کیا یہ حلال ہے؟ ہم نہیں سوچتے کہ یہاں ہمارا ایک ایک لمحہ جو گزر رہا ہے وہ حلال زندگی کا گزر رہا ہے یا حرام زندگی کا؟ بینک سے قرضہ لے کر ہم نے بہت بڑا کاروبار بڑھا لیا' لیکن یہ تو سراسر حرام ہے۔ تو غور طلب بات یہ ہے کہ اس روح پر جو نفس کا بوجھ ہے' اس کے پاؤں میں جو بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں' جب تک اسے ان سے آزاد نہیں کراؤ گے وہ اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی۔

مجھ کو ہے تیری جستجو' مجھ کو تری تلاش ہے
خالق مرے کہاں ہے تو؟ مجھ کو تری تلاش ہے!

ہم اپنے ہائی سکول کے زمانے میں پانچویں سے لے کر دسویں تک' چھ سال یہ نظم پڑھتے رہے۔ دنیا اپنے خالق کو تلاش تو کرتی ہے' لیکن اللہ کہتا ہے کہ میری تلاش میں تمہیں جنگل

میں جانے کی ضرورت نہیں ہے‘ میں تو ہر جگہ‘ ہر آن موجود ہوں۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:۴) ”وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو“۔ گویا ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی!

اللہ تو تمہارے دل کے اندر موجود ہے۔ یہ جو تمہارے اندر روح ہے جس کا مسکن قلب ہے‘ اس روح کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ بالکل وہی ہے جو سورج کی کرن کا سورج کے ساتھ ہے۔ سورج کی کرن کروڑہا میل دُور سے چلی آ رہی ہوتی ہے‘ لیکن کیا اس کا تعلق سورج سے کٹ سکتا ہے؟ اسی طرح ہماری روح اللہ کے پاس سے آتی ہے لیکن یہ اللہ سے منقطع نہیں۔ ہاں منقطع اُس وقت ہوتی ہے جب ہم اپنے گناہوں سے‘ اپنی غفلت سے‘ اپنے دلوں کو سیاہ کر لیتے ہیں‘ سخت کر لیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کثرتِ ذنوب سے انسان کا دل مٹھی کی مانند بند ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ آپ قبر میں مُردے کو اُتار کر مٹی ڈال دیتے ہیں تو وہ قبر کے اندر بند ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں نفسِ انسانی کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰﴾ (الشمس) ”کامیاب ہو گیا جس نے اس کا تزکیہ کر لیا (اسے پاک کر لیا) اور ناکام ہو گیا جس نے اس کو مٹی میں دبا دیا“۔ یہ ہمارا مٹی کا وجود ہے‘ اس کے اندر ہم اپنی روح کو دبا دیتے ہیں۔

صیام وقیامِ رمضان کا حاصل

رمضان کے اس دوگونہ پروگرام کا حاصل کیا ہے؟ اس کے لیے اس حدیث قدسی کا مطالعہ کیجیے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ: اَلْحَسَنَةُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ، يَدَعُ

شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ، وَلَخُلُوْفُ فِيْهِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ))

(صحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب فضل الصیام)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کے ہر (نیک) عمل کو دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزے کا معاملہ دیگر نیکیوں سے مختلف ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا‘ میری وجہ سے ہی وہ اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے اور شہوت کے جذبات کو روکتا ہے۔ روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں‘ ایک خوشی اس کے افطار کے وقت اور ایک خوشی اپنے ربّ کی ملاقات کے وقت۔ اور یقیناً اس کے مُنہ کی بُو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔“

اس حدیث کی روشنی میں مَیں نے ”عظمتِ صوم“ کے نام سے ایک کتابچہ تحریر کیا تھا۔ روزے کا روحِ انسانی سے تعلق سمجھنے اور عظمتِ انسان سے واقفیت کے لیے اس کتابچے کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ روزہ‘ رمضان مبارک اور قرآن مجید کی عظمت وفضیلت سے آگاہی کے لیے ”عظمت صیام و قیامِ رمضان مبارک“ اور ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ کا مطالعہ کیجیے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن میں شرکت کی دعوت

میری آج کی گفتگو سے کوئی بات واضح ہوئی ہو اور آپ اگر واقعی چاہتے ہوں کہ رمضان کی برکتوں سے کسی درجے مستفیض ہو سکیں تو آپ اس مسجد میں نمازِ تراویح کے ساتھ ہونے والے دورۂ ترجمۂ قرآن میں شرکت کا فیصلہ کریں۔ یہ پروگرام اس مسجد میں گزشتہ اکیس سال سے ہو رہا ہے۔ ہم حضرت عمر فاروق ؓ کے فتوے کے مطابق تراویح کی بیس رکعات پڑھتے ہیں۔ ہر چار رکعات میں جتنا قرآن پڑھا جانا ہو پہلے بیٹھ کر اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح سنتے ہیں اور پھر جب نماز میں امام صاحب اس کی قراءت کرتے ہیں تو یہ کسی نہ کسی درجے میں دل ودماغ کے اندر اتر رہا ہوتا ہے۔ چار تراویح

سے فارغ ہو کر پھر اس سے اگلے حصے کا ترجمہ سنا جاتا ہے۔ اس طرح چار یا پانچ گھنٹے میں دورۂ ترجمہ قرآن اور تراویح سے فراغت ہو جاتی ہے۔ شروع میں تو اس کام میں چھ گھنٹے صرف ہوتے تھے‘ لیکن اس کے بعد ہم نے اسے ذرا مختصر کیا ہے۔ گزشتہ دو برس سے میں خود یہ کام چھوڑ بیٹھا ہوں‘ اس لیے کہ اب میری صحت اس کا تحمل نہیں کر سکتی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میرے تین بیٹے یہ کام کر رہے ہیں۔ یہ تین بیٹے تو صلبی ہیں‘ جبکہ میرے سینکڑوں معنوی بیٹے بھی یہی کام کر رہے ہیں۔ کراچی میں تو چالیس پچاس جگہ دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام ہوتا ہے۔ یہاں لاہور میں بھی پندرہ بیس جگہ تو لازمی ہوگا۔ اس کے علاوہ ملتان‘ فیصل آباد‘ جھنگ‘ راولپنڈی اور اسلام آباد میں بھی یہ پروگرام ہوتا ہے۔

میں نے جب اس پروگرام کا آغاز کیا تو اس وقت میرے سامنے ایک مثال موجود تھی۔ سہارن پور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی خانقاہ میں رمضان مبارک کی راتیں اس انداز سے بسر کی جاتی تھیں کہ ہر چار رکعت تراویح کے بعد ایک طویل وقفہ ہوتا جس میں لوگ منتشر ہو جاتے اور انفرادی طور پر تلاوتِ قرآن‘ نوافل اور ذکر و تسبیح میں مصروف رہتے۔ اس طرح تقریباً سحری تک لوگ تراویح اور دیگر اعمال میں مشغول رہتے۔ ہم نے یہ کیا کہ اس شب بیداری کو اجتماعی شکل دے دی اور دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام شروع کر دیا‘ تاکہ لوگ قرآن کے ساتھ جاگیں اور ان کا معاملہ ان قیام کرنے والوں کا سا نہ ہو جنہیں سوائے رت جگے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا‘ بلکہ اگر وہ قرآن کے ساتھ جاگ رہے ہیں تو قرآن کے کچھ انوار اُن کے قلوب و اذہان میں اُتر رہے ہوں۔ یہاں اس بار دورۂ ترجمۂ قرآن کی ذمہ داری عزیزم ڈاکٹر عارف رشید ادا کریں گے۔ آپ حضرات ہمت کریں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں‘ اور آٹھ تراویح پڑھ کر نہ جائیں بلکہ پوری بیس تراویح پڑھ کر جائیں۔ قرآن کا کچھ حصہ سن لینا اور کچھ حصہ چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ قرآن تو سارا کا سارا رحمت ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا عظیم ترین معجزہ ہے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

روزہ اور تہذیبِ نفس

محبوب الحق عاجز

روزہ ارکانِ اسلام میں سے ہے۔ یہ ایک عظیم الشان عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کیا قدر و قیمت ہے‘ اس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ واحد عبادت ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ ’’روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا‘‘ یا ’’میں ہی اس کی جزا ہوں‘‘۔

انسان جو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے‘ اس کا مقصدِ حیات کیا ہے؟ قرآن حکیم یہ بتاتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں سے جو واحد مطالبہ کیا ہے‘ وہ عبادت اور بندگی ہے۔ چنانچہ جگہ جگہ یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ کی بندگی کرو اور اُس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہ بندگی جو مطلوب ہے‘ جُز وقتی نہیں‘ کُل وقتی ہے۔ اسلام انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار کے ساتھ ہی یہ بات لازم آتی ہے کہ جس اللہ کو آدمی نے معبود اور الٰہ تسلیم کیا ہے‘ پوری زندگی اُس کا بندہ اور غلام بن کر رہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ ایسا نہ ہو جو اللہ کی اطاعت سے خالی ہو۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کی ساری زندگی کا اپنے تمام شعبوں سمیت عبادت بن جانا آسان نہیں۔ اس لیے کہ نفس امارہ اس راستے کی بڑی رکاوٹ ہے۔ نفس کا مُنہ زور گھوڑا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر معاملے میں میری مرضی چلے‘ میری خواہشات کی بندگی کی جائے۔ وہ برائی کی دعوت دیتا ہے۔ انسان کا اصل شرف و کمال ہی یہ ہے کہ اپنے نفس کو قابو کرے۔

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا!

اگر نفس بے قابو ہوگیا تو پھر دنیا میں انسان کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ اور ضرر رساں چیز اور کوئی نہ ہوگی۔ نفس کی سرکشی ہی سے خدا کی نافرمانی ہوتی ہے‘ خلقِ خدا کے

حقوق پامال ہوتے ہیں‘ دنیا ظلم و جور اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنتی ہے۔ اسی سے قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اسی کے بے لگام ہونے سے غم و غصہ کے شعلے بھڑکتے اور بستیوں کو تاراج کرتے ہیں۔ اسی سے انسانی آبادیاں درندگی کا نشانہ بنتی ہیں۔ اسی سے معاشرے بے ایمانی‘ بے انصافی‘ بے حیائی اور حیوانیت کے تیروں سے چھلنی ہوتے ہیں۔ الغرض ساری برائیوں کا منبع نفس انسانی ہے۔ اسی لیے اسلام نے اِس کے تزکیہ پر بہت زور دیا ہے اور تزکیۂ نفس کو کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾﴾ (الاعلیٰ)

’’بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔‘‘

اور سورۃ النازعات میں فرمایا:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾﴾

’’اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا‘ اس کا ٹھکانا جنت ہے۔‘‘

بندگی کے لیے نفس کے تزکیہ اور زبردست تربیت کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ عادات‘ مزاج اور فضائل کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالا جائے۔ اسلام میں نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور حج کی عبادتیں اسی لیے فرض کی گئی ہیں۔ یہ انسان کو پوری زندگی میں شاہراہ بندگی پر چلنے کے لیے تیار کرتی ہیں۔ نفس انسانی کی اس انداز سے تربیت کرتی ہیں کہ وہ اس راستے میں رکاوٹ نہ بنے‘ بلکہ ممد و معاون ہو۔ وہ اطاعت و انقیاد سے روکنے اور گناہ و سرکشی کی طرف بلانے والا نہ ہو‘ بلکہ خدا کی شریعت اور حکم کے خلاف اُٹھنے والے ہر قدم پر ٹوکنے اور ملامت کرنے والا بن جائے۔

نماز اللہ کی یاد کا ذریعہ ہے۔ دن رات میں پانچ وقت ’’حی علی الصلوٰۃ‘‘ کی منادی کے ذریعے اہل ایمان کو اللہ کے دربار میں لاکھڑا کر کے یہ سبق دیا جاتا ہے کہ تم اپنے مالک کے بندے اور غلام ہو۔ تم نے جس طرح ’’آؤ نماز کی طرف‘‘ کی پکار پر لبیک کہی‘ اسی طرح تمہیں خانہ خدا سے باہر اپنے گھر‘ بازار‘ دفتر‘ دکان الغرض ہر جگہ اور ہر وقت اللہ کے حکم پر لبیک کہنا ہے۔ تم جس طرح اللہ کے اِس گھر میں اُس کے سامنے اپنی جبین نیاز خم کرتے ہو‘ اسی طرح اس

گھر کے باہر کی زندگی میں بھی تمہیں اُسی مالک کی ہدایات کے آگے سرِتسلیم خم کرنا ہے۔ تم چاہے سرمایہ دار ہو یا مزدور' چین کے رہنے والے ہو یا ماچین کے' تمہاری رنگت سیاہ ہے یا سفید' تمہاری زبان عربی ہے یا کوئی اور' تم افسر ہو یا ماتحت' تم خاندان کے سربراہ ہو یا تم پر ریاست کی امارت کی ذمہ داری ہے' تمہارا تعلق شعبہ تعلیم سے ہے یا تم منصب قضا پر فائز ہو' بہرحال تم اللہ کے بندے ہو' تمہیں اُس کے کھینچے ہوئے دائرے ہی کے اندر رہنا ہے۔ تمہاری آزادی کی حد یہی دائرہ ہے' تم اس سے باہر نہیں جاسکتے۔

یہی حال روزہ کا ہے۔ ہر سال کے ایک مہینہ میں روزہ انسان کے لیے اطاعت وانقیاد کی زبردست تربیت اور بہترین ٹریننگ ہے۔ یہ شخصیت کی تعمیر اور بندگی کی تربیت کا بے مثال پروگرام ہے۔ نفسِ امارہ کی تہذیب اور اُسے نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ کی منزلوں تک لے جانے کا بے نظیر لائحہ عمل ہے۔ روزہ کو عربی میں 'صوم' کہتے ہیں۔ صوم کا لفظ ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ یہ نفس پر قابو پانے کی بے مثال مشق ہے' اُسے قواعد وضوابط کا پابند بنانے کی ریاضت ہے۔ صوم کے کیا معنی ہیں؟ صوم صَامَ یَصُوْمُ سے مصدر ہے۔ اس کے معنی کسی کام سے رُک جانے کے ہیں' خواہ یہ رکنا کھانے پینے سے ہو' یا چلنے پھرنے اور گفتگو کرنے سے۔ رکنے والے کو صائم کہتے ہیں۔ اِسی بنا پر گھوڑا چلنے پھرنے سے رُک جائے یا چارہ نہ کھائے تو اُسے ''صائم'' کہا جاتا ہے۔ ہوا رُک جائے تو اُس کے لیے بھی 'صوم' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لفظ دوپہر کے وقت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ روزہ دن بھر بھوکا پیاسا رکھ کر اور قضائے شہوت سے منع کر کے نفس کو شرعی ضوابط کی پابندی کا خوگر بناتا ہے۔ ذرا غور کیجیے' انسان بھوک سے نڈھال ہوتا ہے۔ اُس کے پاس اللہ کا دیا ہوا رزق اور انواع واقسام کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ نفس کہتا ہے' کھا کر اپنی بھوک مٹالو' مگر روزہ نفس کے اِس تقاضے کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ نہیں' تم کھا پی نہیں سکتے کہ اللہ نے اِس کی اجازت نہیں دی ہے۔ پھر اُس مزدور اور محنت کش کا حال دیکھیے جو مئی جون کی تپتی دوپہر میں محنت مزدوری کرتا ہے۔ پیاس کی شدت سے اُس کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ وقت افطار کے انتظار میں وہ پل پل گنتا ہے۔ منرل واٹر نہ سہی ٹونٹی کا پانی تو اُسے بھی میسر ہوتا ہے۔ نفس اُس سے مطالبہ کرتا ہے کہ پانی پی کر اپنی تشنگی مٹالو' مگر روزہ پھر اُسے اللہ کا حکم یاد دلاتا ہے' نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے' اللہ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ یہ نفس کے وہ تقاضے ہیں جو غیر رمضان کے دنوں میں جائز ہیں۔ روزہ اِن جائز تقاضوں کی تکمیل کے

لیے نفس کو ضبط سکھا کر اُس میں ناجائز کاموں اور گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا کرتا ہے۔ روزہ یہ بتاتا ہے کہ جب تم رمضان کے دوران اپنے جائز تقاضوں کو پورا کرنے سے اس لیے باز رہتے ہو کہ اللہ نے اِن سے منع کیا ہے تو پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ غیر رمضان میں اللہ کی منع کردہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہو' حرام امور کی گندگی سے اپنا دامن آلودہ کرتے ہو۔ جس اللہ کا حکم رمضان میں مانتے ہو' اُسی کا حکم غیر رمضان میں بھی اپنے اوپر نافذ کرو۔

وہ چیزیں جو غیر رمضان میں بھی منع ہیں' اور گناہ کے کام ہیں' روزے کی حالت میں اُن کا ارتکاب اور بھی زیادہ شنیع فعل ہے۔ یہ درست ہے کہ ایک آدمی جب پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش پوری کرنے سے رُکا رہے تو اُس کا روزہ ظاہری شرائط کے مطابق صحیح ہو جاتا ہے' مگر یہ روزہ کی ابتدائی حالت ہے۔ اگر آدمی اسی پر قناعت کرتا ہے اور گناہوں سے اپنا دامن نہیں بچاتا تو یہ روزہ کی روح کے منافی ہے۔ روزہ کی روح اور مقصد حصول تقویٰ بتایا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾﴾ (البقرہ)

''مؤمنو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے' جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا' تاکہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔''

تقویٰ کیا ہے؟ خوفِ خدا' اللہ کی ناراضی سے بچنے کی فکر اور اُس کی رضا کی طلب۔ تقویٰ وہ مضبوط رسّی ہے جو خدا کی نافرمانی کے راستے پر بڑھنے اور خلق خدا پر ظلم وزیادتی سے روکتی ہے' خواہ اللہ کی نافرمانی کی کوئی بھی صورت ہو' بندوں کی حق تلفی اور ناانصافی کی کوئی بھی شکل ہو۔ تقویٰ دلوں کا احساسِ ذمہ داری ہے' اللہ کی ناراضی کا گہرا شعور ہے۔ یہ فکر ہے کہ میرا مالک مجھ سے ناراض نہ ہو جائے اور پھر اس بنا پر زندگی کے ہر ہر موڑ اور ہر ہر قدم پر اللہ کی رضامندی کو پیش نظر رکھنا ہے' اُس کی منع کردہ چیزوں سے بچنا ہے' تاکہ میں آخرت کے دن اللہ کے قہر و غضب سے بچ سکوں —— دنیا جس میں ہم رہتے ہیں' جنت ہے' جائے تعیش ہے۔ مگر کن کے لیے؟ اُن کے لیے جو انکار کرتے ہیں۔ ماننے والوں کے لیے یہ جنت اور عشرت کدہ نہیں' ایک قید خانہ ہے۔ قید خانہ بھی ایسا جہاں جگہ جگہ خاردار جھاڑیاں ہیں' گناہوں کے کانٹے ہیں' عصیان کی دلدل ہے' شیطان اور اُس کے ایجنٹ ہیں' جو ہر گام پر گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ اور یہ قید بھی ایسی ہے جو قید بامشقت ہے۔ یہاں انسان کو مشقت کرنا ہے' چلنا پھرنا ہے' اور

آخرت کو سنوارنے کے لیے بہت سے کام کرنے ہیں۔ اب اس پُرخطر ماحول سے کیسے بامراد گزرا جائے‘ کہ کانٹوں اور جھاڑیوں سے کپڑے محفوظ رہیں‘ گناہوں کی دلدل میں قدم نہ پھنسیں‘ شیطان اور اُس کے ایجنٹوں کی تدبیریں ناکام ہوں۔ اس کے لیے اللہ کے خصوصی فضل کی طلب کی ضرورت ہے‘ اور شعوری طور پر پوری احتیاط کی۔ تقویٰ اسی احتیاط کا نام ہے۔ روزہ یہی احتیاط پسندی سکھاتا ہے۔ اس احتیاط کا مرکز انسان کا دل ہے۔ اگر تقویٰ دل میں گھر کر جائے تو انسان کی زندگی کا نقشہ بدل جاتا ہے‘ اُس کے روز و شب تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اُس کی خلوتوں میں فکر‘ محاسبہ‘ نالہ نیم شبی‘ آہ سحر گاہی اور اشکوں سے وضو ہوتا ہے اور جلوتوں میں‘ پبلک لائف میں صداقت‘ دیانت‘ امانت‘ عدالت‘ شجاعت‘ اخوت اور حقوقِ انسانی کے احترام کے پھول کھلتے ہیں۔

حقیقی روزہ اُس شخص کا ہے جو آنکھ‘ کان‘ ہاتھ پاؤں‘ زبان اور دیگر اعضاء کو گناہ سے روکے۔ اُس چیز کو نہ دیکھے‘ جسے دیکھنے سے اللہ نے منع کیا ہے۔ وہ چیز نہ سنے جس سے اللہ نے روکا ہے‘ اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کام نہ کرے جو شریعت میں ممنوع ہو‘ اپنے پاؤں کو غلط راستے پر چلنے سے باز رکھے۔ سب سے بڑھ کر اپنی زبان کو جھوٹ‘ غیبت‘ چغلی‘ جھوٹی گواہی‘ الزام تراشی جیسے مفاسد سے بچائے۔ یہ عجیب بات ہوگی کہ آدمی صبح سے شام تک کھانے پینے اور قضائے شہوت سے رُکا رہے‘ جن کی عام حالات میں اجازت ہے‘ مگر ناجائز کاموں اور گناہوں کی آلودگی سے اپنا دامن آلودہ کرے۔ وہ روزہ رکھ کر جھوٹ بولے جو اہلِ نفاق کی صفت ہے۔ جھوٹی گواہی دے جو دلوں کے گناہ گار ہونے کی علامت ہے۔ خیانت کرے جو منافقت کی نشانی ہے۔ چیزوں میں ملاوٹ کرے جو اُمتِ رسول ﷺ سے اخراج کا باعث ہے۔ غیبت کرے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ سودی لین دین کرے جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے کھلا اعلانِ جنگ ہے۔ فحاشی و عریانی کی تشہیر کرے جو عذابِ الیم کا باعث ہے۔ دوسروں سے لڑائی جھگڑا کرے‘ اُن کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے‘ اُن پر ظلم و ستم کرے‘ جو آخرت کے اندھیروں میں سے ہے۔ روزہ اگر فی الواقع روزہ ہے‘ اور اُس کی روح مجروح نہیں ہوگئی تو یہ روزہ دار کو اِن سب ذمائم سے منع کرتا ہے‘ تاکہ پورا ایک ماہ اِن سے بچنے کی مشق کر کے وہ سارا سال اِن سے مجتنب رہ سکے۔ ایک حدیث کے مطابق ایک مسلمان جب روزہ رکھے تو اُس کا حال یہ ہو کہ اُس کے کانوں کا بھی روزہ ہو‘ اُس کی آنکھوں کا بھی

روزہ ہو‘ اُس کے ہاتھوں کا بھی روزہ ہو‘ غرض اُس کے ہر عضو کا روزہ ہو۔

اگر روزہ رکھ کر گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے‘ روحِ روزہ کو مجروح کیا جا رہا ہے تو پھر حقیقت میں یہ روزہ نہیں ہے۔ علامہ ابن جوزی ؒ فرماتے ہیں:

’’بہت سے روزے دار روزے تو بہت پابندی سے رکھتے ہیں لیکن وہ یہ فکر نہیں رکھتے کہ جس چیز سے روزہ افطار کر رہے ہیں وہ حلال ہے یا حرام! وہ دن بھر غیبت سے پیٹ بھرتے ہیں‘ اجنبی چہروں سے آنکھیں سینکتے ہیں اور ذرا باک نہیں کرتے‘ فضول گفتگوؤں میں لگے رہتے ہیں اور شیطان انہیں اطمینان دلاتا رہتا ہے کہ آپ روزے دار ہیں۔ یہ بھی شیطانی دھوکہ ہے۔‘‘

امام غزالی ؒ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں:

’’نبی ﷺ کے مبارک دور میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزے میں ان دونوں کی حالت غیر ہوگئی۔ پیاس کی شدت سے ان کی جان لبوں پر آ گئی۔ دونوں نے نبی ﷺ سے روزہ کھولنے کی اجازت منگوائی۔ آپؐ نے دونوں کے پاس ایک بڑا پیالہ بھیجا اور حکم دیا کہ دونوں اس میں قے کریں۔ دونوں عورتوں نے ہدایت کے مطابق اس پیالے میں قے کی‘ دونوں کی قے سے خون کے ٹکڑے نکلے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا‘ ان دونوں عورتوں نے ان چیزوں سے تو روزہ رکھا جو اللہ نے حلال کی ہیں اور اُن چیزوں سے روزہ توڑا جو اللہ نے حرام کی ہیں۔ یعنی دوسروں کی غیبت کرتی رہیں۔ یہ انسانوں کی بوٹیاں ہیں جو ان کی قے میں نکلی ہیں۔‘‘

اگر روزہ کی حالت میں آدمی گناہوں سے نہیں رُکتا تو اُس کا محض بھوکا پیاسا رہنا اللہ کی نگاہ میں بے وقعت ہے‘ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ اِلَّا السَّهَرُ)) (مشكاة المصابيح)

’’بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے روزے سے اُن کے پلے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں پڑتا‘ اور بہت سے قیام کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے قیام سے سوائے رت جگے کے کچھ نہیں آتا۔‘‘

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے یہ بات اور بھی دوٹوک انداز میں فرما دی:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ

طَعَامَـهٗ وَشَرَابَـهٗ)) (متفق علیہ)

’’جس شخص نے روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے روزے کو نفس اور شیطان کے حملوں کے خلاف دفاع کے لیے ڈھال قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ)) (مُتفق علیہ)

’’اور روزہ ایک ڈھال ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کا روزے کا دن ہو تو شہوانی باتیں نہ کرے اور نہ شور وغل کرے۔ اور اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو کہہ دے: میں تو روزے دار ہوں۔‘‘

قارئین! اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے کی توفیق دی ہے اور آپ پابندی سے روزے رکھتے ہیں، تو یہ ضرور سوچیے کہ آپ کس لیے روزہ رکھتے ہیں؟ کیا اس لیے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی میں اور لوگ روزہ رکھتے ہیں تو آپ بھی رکھ لیتے ہیں یا اس لیے کہ آپ اپنے نفس کے قوی داعیات کو قابو کر کے اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں، اللہ کی بندگی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں اور اپنی پوری زندگی کو بندگی کے سانچے میں لانے کا سامان کرتے ہیں۔

مفسرِ قرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنے مضمون ’’صالح فرد اور اجتماع کی تشکیل میں روزے کا کردار‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’روزہ کے رکن سے جو کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ: (۱) اس تربیت کے ذریعے (مسلمانوں کی) جماعت کے ہر فرد کو خداوند عالم کی حاکمیت کے مقابلہ میں خودمختاری سے عملاً دست بردار ہو جانے کے لیے تیار کیا جائے تا آنکہ وہ اپنی پوری زندگی کو الٰہی قانون کے تابع کر دے۔ (۲) ہر فرد کے ذہن میں خدا کے عالم الغیب والشھادۃ ہونے کا اور آخرت کی باز پرس کا عقیدہ عملی مشق اور تمرین کے ذریعے سے اس طرح جاگزیں کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی شخصی ذمہ داری کے احساس کی بنا پر، نہ کہ کسی خارجی دباؤ کی وجہ سے قانونِ الٰہی کی خفیہ اور علانیہ اطاعت کرنے لگے۔ (۳) ہر فرد کے اندر یہ روح پھونک دی جائے کہ وہ ماسوا اللہ کی بندگی اور اطاعت سے اعتقاداً اور عملاً منکر ہو جائے اور اُس کی بندگی اللہ کے لیے اس طرح خالص ہو جائے کہ جس حکم یا قانون یا

(باقی صفحہ 88 پر)

قرآنِ کریم کی اُصولی باتیں (۱۰)

پروفیسر ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل
ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

اٹھائیسواں اصول

﴿وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ﴾

''اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم کر کے مت دو۔''

اس قرآنی اصول کا تعلق لوگوں کے حالات کے ساتھ ہے‘ معاملات کے باب میں ہے‘ نیز اس اصول کا تعلق لوگوں کے مقام یا اُن کے کاموں کی درجہ بندی کے ساتھ ہے جن کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

قرآنِ حکیم میں یہ اصول تین دفعہ بیان ہوا ہے اور ہر بار سیدنا شعیب علیہ وعلیٰ نبینا الصلاۃ والسلام کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ جن باتوں کی سیدنا شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی اُن میں سے ایک مسئلہ ماپ تول میں کمی کرنے کا تھا‘ اس لیے کہ یہ بیماری اس قوم میں بہت عام تھی اور وہ بری طرح اس کا شکار تھے۔

جب تم اِس اصول پر غور کرو گے: ﴿وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ﴾ (الاعراف:۸۵) ''اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو''، تو تمہیں معلوم ہو گا کہ پہلے ماپ تول میں کمی سے منع کیا گیا اور پھر یہ عمومی حکم آیا۔ گویا عموم کے بعد خصوص بیان ہوا ہے‘ تاکہ یہ حکم ہر قسم کی کمی کو شامل ہو جائے اور کوئی چھوٹا بڑا جزو باقی رہ نہ جائے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اس اصول کا مفہوم دور تک جاتا ہے اور بالخصوص جو حکم اس میں داخل ہوتا ہے وہ ہے مالی حقوق میں کمی کرنے کا معاملہ‘ چنانچہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے‘ تاکہ ہر ظاہری و معنوی حق کو شامل ہو جائے جو کسی بھی انسان کے لیے ثابت ہوتا ہو۔ ظاہری حقوق بہت زیادہ ہیں‘ ان میں سے کچھ کی تفصیل گزر چکی ہے۔ انسان کے لیے ثابت شدہ حق

میں شامل ہے: گھر‘ زمین‘ کتاب اور تعلیمی اَسناد وغیرہ۔ البتہ معنوی حقوق بہت ہی زیادہ ہیں جن کو شمار کرنا بھی مشکل ہے‘ لیکن یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ قرآنی اصول جس طرح معاملات کے حوالے سے ایک اصول ہے اسی طرح یہ اپنے عموم و شمول کے اعتبار سے دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے میں بھی ایک اصول ہے۔

انصاف کے اصول اپنانے اور لوگوں کے حقوق میں کمی نہ کرنے (کی ہدایات) سے قرآن حکیم بھرا ہوا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کر لو:

﴿وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫﴾ (المائدۃ:۸)

''کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل سے منحرف ہو جاؤ۔ عدل کیا کرو‘ یہی پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔''

ذرا سوچو! تمہارا رب تمہیں حکم دے رہا ہے کہ اپنے دشمن کے ساتھ انصاف کرو اور تمہاری دشمنی تمہیں اُس کی حق تلفی پر نہ اُکسائے۔ پھر تم یہ کیسے گمان کر سکتے ہو کہ جو دین تمہیں دشمن کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دے‘ کیا وہ تمہیں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم نہیں دے گا؟

ادھر مسلمانوں کے حالات دیکھنے سے سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں کس قدر کوتاہی کرتے ہیں‘ یا سرے سے انکار کر دیا جاتا ہے اور اس طرح انصاف کا قتل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے دور دور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے حالات کا ذرا جائزہ لیں تو بڑے ہی تکلیف دہ واقعات سامنے آتے ہیں۔ کوئی آدمی اپنے کسی دوست سے یا کسی دوسرے مہربان سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اِدھر ناراضگی ہوئی اُدھر اس نے اُسے زمین پر دے مارا اور اُس کی ساری خوبیوں اور احسانات کو بھول گیا۔ جب اُس کے بارے میں گفتگو ہو تو ایسی بات کرتا ہے جو شدید ترین دشمن کے بارے میں بھی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ایسے برے اخلاق سے محفوظ رکھے۔

اور کچھ اسی طرح کا معاملہ ہوتا ہے جب ہم علماء یا واعظین کی غلطی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں‘ جن کے بارے میں ہم سب کو علم بھی ہے کہ یہ حضرات بھلائی کے طلب گار ہیں اور حق تک پہنچنے کے لیے کوشاں ہیں۔ لیکن ایک دو باران سے کسی وجہ سے غلطی ہو گئی تو کچھ لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ اس عالم کی ساری محنت‘ کوشش‘ مشکلات پر صبر‘ جہاد اور اسلام و مسلمانوں کی

خدمات سب کچھ بھلا دیتے ہیں‘ بلکہ اُسے ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عالم کے خلاف زبان کھولنے والا یا تنقید کرنے والا صبر نہیں کر سکا‘ حالانکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ عالم اُس غلطی میں معذور ہو۔ ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ وہ عالم غلطی کرنے میں معذور نہیں تھا (اس نے جان بوجھ کر غلطی کی ہے)‘ پھر بھی بات کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی قرآن ہمیں اس طرح کی تربیت دیتا ہے۔ جس اصولِ قرآن پر ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ بات انصاف کے ساتھ کی جائے اور لوگوں کے حقوق میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائے۔

ایک اور مثال کو بھی سامنے رکھیں‘ جو تقریباً روزانہ پیش آتی رہتی ہے اور اس میں بھی انصاف نہیں ہوتا۔ جب کچھ کالم نگار یا تبصرہ نگار سرکاری ادارے یا کسی وزارت کے ذمہ دار افسر کے بارے میں بات کرتے ہیں تو اُس میں بے انصافی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور اُس ادارے کی اچھائیوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ لکھنے والا یا گفتگو کرنے والا اپنے خاص نفسیاتی ماحول میں بات کرتا ہے۔ وہ بس غلطیوں کو سامنے رکھ کر بات کرتا ہے اور اُس ادارے یا متعلقہ افسر کی خوبیوں یا خدمات کو بھول جاتا ہے یا جان بوجھ کر نظرانداز کر دیتا ہے۔

قرآنِ حکیم اپنے ماننے والوں کی اس طرح تربیت نہیں کرتا‘ بلکہ قرآنِ حکیم کا اصولِ تربیت تو وہی ہے جو زیر مطالعہ اصول میں بیان ہوا ہے: ﴿وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَہُمۡ﴾ (الاعراف:۸۵) ’’اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو۔‘‘

بسا اوقات یہ کمی کتابوں یا مقالات پر رائے دینے میں بھی آجاتی ہے‘ جس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ شاید اس کی کا سبب یہ ہو کہ ناقد نے کتاب کو پڑھا ہی اس لیے ہو کہ وہ صرف غلطیاں اور کمزوریاں پکڑنا چاہتا ہو اور انصاف کے ساتھ اس پر تبصرہ دینا نہ چاہتا ہو‘ اور جب نیت صرف غلطیوں کو نمایاں کرنے کی ہو تو غلطیاں ہی زیادہ نظر آتی ہیں اور اچھی باتیں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ واللّٰہ المُستعان!

اُنتیسواں اصول:

﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ﴾

’’اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے بخوبی واقف ہے۔‘‘

اس قرآنی اصول کا لوگوں کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے‘ اور اِس زمانے میں جبکہ خبریں نقل کرنے کے وسائل بہت ترقی کر گئے ہیں‘ اس اصول کی طرف توجہ دلانے کی

ضرورت بہت بڑھ گئی ہے۔ ظاہری اور پوشیدہ ہر دو قسم کے دشمنوں کے آپس میں گٹھ جوڑ بھی گہرے ہو گئے ہیں۔

یہ قاعدہ بنیادی طور پر اہل کتاب اور بالخصوص یہودیوں کے حوالے سے بیان ہوا ہے‘ جن کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے اور اپنے بندوں کو ان کے راستے پر چلنے سے خبردار کیا ہے۔ اہلِ کتاب میں سے گمراہ علماء کو ہی دیکھ لیجیے‘ یہ دشمنوں کی ایک قسم ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی ہمیں یہ سچی خبر اس قرآنی اصول میں دے رہا ہے: ﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ﴾ (النساء:۴۵) ’’اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے بخوبی واقف ہے‘‘، تو ہمیں خود سے ان لوگوں کے بارے میں سوچنا چاہیے جن کو اللہ ہمارے دشمن قرار دے رہا ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کہنے والا اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی خبر دینے والا کوئی نہیں۔

سب سے بڑے دشمن یہ ہیں:

(۱) اللہ کا دشمن ابلیس۔ کسی دوسرے دشمن کے بارے میں اِس قدر نہیں ڈرایا گیا جس قدر شیطان سے ڈرایا گیا ہے۔ قرآن میں کتنی ہی بار اس کو کھلا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت کو واضح کرنے اور ہمارا اس کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہونا چاہیے‘ اس سلسلے میں درج ذیل آیت انتہائی واضح ہے‘ فرمایا:

﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡہُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدۡعُوۡا حِزۡبَہٗ لِیَکُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ؕ﴿۶﴾﴾ (فاطر)

’’یاد رکھو شیطان تمہارا دشمن ہے‘ پس تم اُسے دشمن جانو۔ وہ تو اپنے گروہ کو صرف اسی لیے بلاتا ہے کہ وہ سب واصل جہنم ہو جائیں۔‘‘

(۲) ہمارے خلاف جنگ کرنے والے کافر‘ اور انہی کا کردار ادا کرنے والے‘ جن کی ساری محنت یہ ہوتی ہے کہ ہمارے دین کو ہی بدل دیں یا اس کی ساری شکل ہی بگاڑ دیں۔ سورۃ النساء میں خوف کی نماز کے حوالے سے فرمایا:

﴿وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ٭ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۱۰۱﴾﴾ (النساء)

’’جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں‘ اگر تمہیں

ڈرہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔''

شریعت کا کمال یہ ہے کہ اس نے دشمنوں کی قسموں میں بھی فرق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الممتحنہ میں ہمیں ان کافروں سے دوستی کرنے سے منع کیا ہے جو ہم سے جنگ کر رہے ہوں۔ فرمایا:

﴿لَا یَنۡہٰىکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡہُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۸﴾ اِنَّمَا یَنۡہٰىکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ اَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَ ظٰہَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡہُمۡ ۚ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹﴾﴾ (الممتحنۃ)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں کوئی لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا اُن کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا' بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی۔ جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ قطعاً ظالم ہیں۔''

(۳) تیسری قسم کے لوگ جن کی دشمنی کو قرآن نے بیان کیا' بلکہ ان کی دشمنی کو شدید قرار دیا' وہ منافق ہیں جو ایمان کا دکھاوا کرتے ہیں اور دل میں کفر رکھے ہوئے ہیں۔ اُن لوگوں کی دشمنی کی شدت درج ذیل باتوں سے واضح ہوتی ہے:

اوّل: سورۃ الفاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک منافقوں کے علاوہ کسی دوسرے گروہ کے بارے میں ''العَدُوّ'' (پکے کافر' معرفہ جس پر ال لگا ہو) نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ہُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡہُمۡ ؕ قٰتَلَہُمُ اللّٰہُ ۫ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۴﴾﴾ (المنٰفقون)

''یہی دشمن ہیں ان سے بچو! اللہ انہیں غارت کرے' کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔''

قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ﷺ میں کسی بھی گروہ یا مذہب کی صفات کی ایسی تفصیل بیان نہیں ہوئی جیسی کہ منافقوں کے گروہ کی بیان ہوئی ہے۔ اس لیے کہ ان کی کثرت تھی اور اُن سے واسطہ بھی زیادہ رہتا تھا' اور ان کا اسلام اور مسلمانوں کے لیے فتنہ بھی زیادہ تھا۔

جب یہ سب حقائق واضح ہو کر سامنے آگئے تو اس قرآنی قاعدے پر غور کرنے کی اہمیت بھی واضح ہوگئی: ﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے بخوبی واقف ہے''۔ استثنائی حقائق کی موجودگی یا مخصوص حالات ہمیں دشمن کے بارے میں حقائق جاننے سے دھوکے میں نہ ڈال دیں' کیونکہ جس ذات نے ہمیں ان دشمنوں کے بارے میں خبر دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے ہمیں بھی پیدا کیا ہے اور ان دشمنوں کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور سارے جہان والوں کے سینوں میں کیا چھپا ہوا ہے' وہ اسے بھی جانتا ہے:

﴿اَوَ لَیۡسَ اللّٰہُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِیۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰﴾﴾ (العنکبوت)

''کیا دنیا جہان کے سینوں میں جو کچھ ہے اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف نہیں ہے!''

نیز فرمایا:

﴿اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾﴾ (الملک)

''کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہے!''

اے اللہ! حق کو ہمارے سامنے روزِ روشن کی طرح واضح کر دے اور ہمیں اس کی پیروی کی توفیق بھی عطا کر دے۔ اور باطل کو بھی ہمارے سامنے پوری طرح واضح کر دے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین!

تیسواں اصول:

﴿وَ مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسۡبُہٗ ؕ﴾

''جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔''

یہ قرآنی اصول ہونے کے ساتھ ساتھ ایمانی اصول بھی ہے۔ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک اس کی جڑیں اہل توحید کے دلوں میں گہری ہیں' اور جب تک اس کائنات کا نظام چل رہا ہے یہ اسی طرح رہے گا۔

اس اصول کا معنیٰ ومفہوم بہت واضح ہے۔ اس اصول کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص دین و دنیا کے معاملات میں اپنے رب اور مولا پر بھروسہ کرے' اس طرح کہ جو چیز نفع دیتی ہے اس کو حاصل کرنے میں' یا جو چیز نقصان دیتی ہے اس کو دور کرنے میں اللہ ہی پر بھروسہ کرے اور اسے یہ بھی یقین ہو کہ ہر قسم کی آسانی بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ یعنی جن جن چیزوں کے معاملے میں اُس نے توکل کیا اس میں اللہ کافی رہے گا۔

قرآنی اصول: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ (الطلاق:۳) ’’جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اسے کافی ہوگا‘‘۔ یہ آیت سورۃ الطلاق میں احکامِ طلاق کے حوالے سے بیان ہوئی ہے کہ جس نے طلاق کے معاملے میں اللہ کے احکام کی پیروی کی‘ اس کو کتنی اچھائیاں ملتی ہیں۔ طلاق سے متعلقہ احکام کو ذکر کرنے کے بعد ان باتوں کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس میں اِحتیاط کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اطمینانِ خاطر بھی دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم!

توجہ دلانے والی بات دونوں میاں بیوی سے کہی گئی ہے کہ طلاق کے معاملے میں دونوں کے دل کسی طرح بھی اللہ کے احکام کو توڑنے کا نہ سوچیں‘ جن کا تعلق عدت سے ہو‘ نان نفقہ سے ہو یا کسی اور معاملے سے ہو۔ کیونکہ عام طور پر طلاق کے موقع پر دل ایک دوسرے سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور معاملہ طے کرنے میں منصفانہ سوچ نہیں رکھتے اور حالتِ غصہ میں عدل وانصاف سے ہٹ جاتے ہیں۔

رہی بات اطمینانِ خاطر کی‘ تو جو آدمی بھی طلاق کے معاملے میں سچے دل کے ساتھ اللہ کے حکم کی پابندی کرے گا‘ خواہ اُس کے ساتھ کوئی دھوکہ کرے‘ یقیناً اللہ اُس کے ساتھ ہے‘ اس کا مددگار ہے‘ اُس کے حقوق کا محافظ ہے‘ اور جو کوئی اس کے خلاف سازش کر رہا ہو اس کی سازش کو ناکام بنانے والا ہے۔ **واللہ أعلم بمرادہ۔**

اگرچہ یہ اصول طلاق کی آیات کے حوالے سے بیان ہوا ہے‘ جس کا ذکر گزر چکا ہے‘ لیکن اس کا مفہوم وسیع وعریض ہے‘ جس کو اس ایک موضوع میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ توکل کے موضوع پر قرآنِ کریم میں متعدد آیات ہیں‘ جن میں توکل کی فضیلت‘ اس کی تعریف اور بندے کی زندگی پر اس کے اثرات بیان ہوئے ہیں۔

ان باتوں کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے اس بات کی یاد دہانی کرانی ضروری ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے دلائل سے واضح ہے کہ ظاہری اسباب کا اختیار کرنا توکل کی معراج ہے۔ اور یہ حقیقت بہت واضح ہے‘ لیکن اس بات کی طرف توجہ دلانا اس لیے ضروری ہے کہ بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب کو چھوڑ دیا جائے‘ جبکہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سمندر آ گیا‘ جب مریم علیہا السلام کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی‘ اسی طرح اولیاء وصالحین کے بہت سارے واقعات

ہیں۔ جب تم ان واقعات پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ انہیں بھی کم سے کم اسباب پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ پتھر کو چوٹ لگائیں‘ اور حضرت مریم علیہا السلام کو حکم ہوا کہ کھجور کے تنے کو ہلائیں۔ زندگی کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنا ضروری ہے‘ بالخصوص کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں آپ ﷺ کو اور دوسرے اہلِ ایمان کو توکل کی ترغیب دی گئی ہے‘ جن کی تفصیل یوں ہے: جب مدد کی درخواست کرنی ہو‘ جب مشکل کا حل مطلوب ہو‘ جب دشمن غالب آ رہا ہو اور اس کی طاقت کا خوف ہو‘ جب مخلوق منہ پھیر لے‘ جب وقت کم ہو اور کام زیادہ ہو‘ اور اسی طرح کے دوسرے مواقع۔

اے اللہ! ہم ہر قسم کی طاقت وقوت سے اظہارِ لاتعلقی کرتے ہیں اور صرف تیری طاقت وقوت کا سہارا لیتے ہیں۔ اور ہم اس بات سے بھی تیری پناہ میں آتے ہیں کہ ذرا سی دیر کے لیے اپنی ذات پر توکل کر بیٹھیں۔

اکتیسواں اصول:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

’’تم عورتوں کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے برتاؤ کیا کرو۔‘‘

یہ قرآنی وایمانی اصول ہے جس کا لوگوں کی اجتماعی ومعاشرتی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے‘ بلکہ تمام معاشرتی تعلقات کی بنیاد یہی قرآنی قاعدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بیان کر رہا ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (النساء:۱۹) ’’اور تم عورتوں کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے برتاؤ کیا کرو۔‘‘

اس اصول کو سمجھنے کے لیے یہ چیز مدد دیتی ہے کہ ہم آیت کا سببِ نزول بیان کر دیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’’صحیح البخاری‘‘ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ: ’’جب کوئی آدمی مر جاتا تو مرنے والے کے وارث اُس کی بیوی کے زیادہ حق دار ہوتے‘ اگر اُن میں سے کوئی چاہتا تو اس عورت سے شادی کر لیتا‘ اور اگر چاہتے تو اِس عورت کی شادی کسی اور مرد سے کر دیتے‘ اور اگر چاہتے تو اس عورت کی شادی ہی نہ کرتے۔ اِس عورت کے اپنے خاندان سے زیادہ یہ سسرالی خاندان کے لوگ اِس عورت کے زیادہ حقدار ہوتے۔ اس رواج کے حوالے سے یہ آیت نازل ہوئی۔‘‘ (صحیح البخاری: ۴۳۰۳)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہدایت کے ضمن میں یہ مستحکم قرآنی اصول بیان ہوا ہے‘

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ⑲﴾ (النساء)

”اے ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو۔ انہیں اس لیے روک نہ رکھو کہ جو کچھ تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو۔ گو تم انہیں ناپسند کرو‘ لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔“

اس آیت میں شوہروں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہیں‘ اور اچھے طریقے سے رہنے کا معنیٰ یہ ہے کہ عورت کا مہر‘ نان نفقہ‘ اور حقوق کی تقسیم پوری پوری کریں‘ اس سے تکلیف دہ بات نہ کریں‘ اس سے منہ موڑ کر دوسری کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں‘ اور بغیر کسی گناہ یا وجہ کے اسے قہر آلود نگاہوں سے نہ دیکھیں۔

جس نے بھی اس عظیم قرآنی اصول: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ﴾ (النساء:۱۹) ”تم عورتوں کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے برتاؤ کیا کرو“ پر غور و فکر کیا‘ اسے یقین ہو جائے گا کہ قرآن حکیم واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے‘ اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: زیر نظر اصول‘ اگرچہ اس کے کلمات بہت تھوڑے ہیں‘ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ دو ہی لفظ ہیں‘ لیکن یہ اصول بہت عظیم معانی اور مفاہیم پر مشتمل ہے‘ جن کی شرح کی جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ یہاں پر تو ہم بس روشنی ڈال رہے اور اشارے کر رہے ہیں۔

دوسری وجہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حسنِ سلوک کو عرفِ عام سے جوڑ دیا ہے اور کسی معین چیز کے ساتھ اِس کو خاص نہیں کیا ہے‘ کیونکہ یہ بات بہت واضح ہے کہ مختلف علاقوں میں عرف مختلف ہوتا ہے‘ اور اس لیے بھی معین و محدود نہیں کیا کہ شوہروں کی مالی و معاشرتی حیثیت مختلف ہوتی ہے۔ اختلاف کی اور بھی بہت ساری صورتیں ہوا کرتی ہیں‘ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنت رہی ہے۔

یہ قرآنی اصول: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ﴾ ”تم عورتوں کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے برتاؤ کیا کرو“ اپنے مفہوم میں بہت عظیم معانی لیے ہوئے ہے‘ اسی لیے دنیا میں اپنے وقت کے عظیم اجتماع میں جب رسول اللہ ﷺ نے عرفات کے میدان میں لوگوں سے خطاب فرمایا تو ان حقوق کو ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔

ایک مؤمن جب اس قاعدے کی بکثرت خلاف ورزی اور اس کے حدود سے متعلق لاپرواہی ہوتے دیکھتا ہے تو اُسے شدید تکلیف ہوتی ہے۔ بعض مردوں کو صرف اپنے حقوق سے متعلق آیات یاد ہیں اور انہی کو دہراتے رہتے ہیں‘ اور جن نصوص (قرآنی آیات یا حدیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بیویوں کے حقوق کا بیان ہے اُن کا ذکر تک نہیں کرتے۔ ایسے حقوق تلف کرنے والوں کے لیے تباہی ہے۔

دوسری طرف بیوی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہے اور جس حد تک ہو سکتا ہو اس کے حقوق کو ادا کرتی رہے۔ ایسا نہ ہو کہ چونکہ اس کا خاوند اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہ ہے‘ لہٰذا وہ بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے۔ بیوی کی ذمہ داری ہے کہ صبر کرے اور اجر کی طلبگار رہے۔

اِس امت کے سلف صالحین اِن عظیم نصوص کے مفہوم کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے اور اس قرآنی اصول کو بھی اچھی طرح جانتے تھے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ﴾ ”تم عورتوں کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے برتاؤ کیا کرو“۔ اُمتِ اسلامیہ کے عظیم عالم اور مفسرِ قرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس ؓ فرمایا کرتے تھے: ”میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کے لیے خوبصورت بن کر رہوں‘ جیسا کہ مجھے پسند ہے کہ وہ میرے لیے خوبصورت بن کر رہے‘ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪﴾ ”اور اچھائی کے ساتھ عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں“۔ اور مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اپنی بیوی سے اپنے پورے حق وصول کروں (اور خود اُس کی حق تلفی کروں) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۸) ”اور مردوں کا عورتوں پر ایک اضافی درجہ ہے۔“

جناب یحییٰ بن عبدالرحمٰن الحنظلیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے فرزند محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا‘ آپ خوبصورت چوغے

میں باہر تشریف لائے اور آپ کی داڑھی میں خوشبو چمک رہی تھی۔ میں نے دریافت کیا: یہ کیا ماجرا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ چوغہ مجھے میری بیوی نے پہنایا ہے اور مجھے خوشبو بھی لگائی ہے' جیسے ہم پسند کرتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے تیار ہو کر رہیں' انہیں بھی پسند ہے کہ ہم ان کے لیے بن سنور کر رہیں۔''

اسلام کی نگاہ میں میاں بیوی کے تعلقات کس قدر گہرے ہوتے ہیں' اسے اس قرآنی اصول نے مختصراً بیان کر دیا ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ﴾ ''تم عورتوں کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے برتاؤ کیا کرو''۔ یہ تعلق معروف (نیکی اور بھلائی) کی بنیاد پر قائم ہے یعنی دونوں میں سے کسی سے جو کمی کوتاہی ہو جاتی ہے' اس پر صبر کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ تعلقات آگے نہ بڑھ سکتے ہوں تو معروف کے ساتھ جدائی کا حکم ہے۔ یہی طریقہ دونوں میاں بیوی کے عزت و احترام کا ضامن ہے۔ اس سارے عائلی نظام کی وجہ سے مؤمن کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہدایت عطا فرمائی اور ایسی شریعت کے ساتھ اس کا تعلق ہے جو ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے۔ اور مؤمن ایسے گندے لکھاریوں اور خبیث نعروں کو شدید غیظ و غضب سے دیکھتا ہے جو ایک طرف عورت کو' دوسری طرف مرد کو بھڑکا رہے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے اسے فریق ثانی کی کوئی بات ناپسند ہو تو وہ شرعی پابندیوں سے آزاد ہو جائے' اور یہاں یا وہاں حرام تعلق قائم کر لے۔

بتیسواں اصول:

﴿وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ﴾

''اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا۔''

یہ قرآنِ کریم کا ایمانی اصول ہے' اور اُمتِ مسلمہ بالخصوص جن حالات میں جی رہی ہے اُس کے ساتھ اِس کا گہرا تعلق ہے۔ بہت تیزی سے تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صورتِ حال اللہ تعالیٰ کی سنتوں سے خارج ہے' حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿٤٣﴾﴾ (الحج)

''(اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو (کوئی تعجب کی بات نہیں) ان سے قبل

قومِ نوح' قومِ عاد' قومِ ثمود' قومِ ابراہیم اور قومِ لوط بھی اپنے نبیوں کو جھٹلا چکی ہیں۔''

آگے فرمایا:

﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾﴾ (الحج)

''یہ لوگ آپ سے جلد عذاب مانگ رہے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا' البتہ آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔''

ان آیات سے مراد یہ ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں: ''اگر محمد (ﷺ) اپنی دھمکیوں میں سچے ہوتے تو جس چیز کی دھمکی دے رہے ہیں وہ جلد آ جاتی''...... اور وہ بطور مذاق جلدی جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس مجرمانہ مطالبے کے بعد یہ قاعدہ بیان ہوا ہے' جس سے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ستائے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں یقین و اطمینان کی بارش ہو گئی' جبکہ ان لوگوں کے کان کافروں کے استہزاء و مذاق سن سن کر پک گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچا وعدہ کر سکتا ہے اور کون زیادہ نبھا سکتا ہے: ﴿وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا۔''

قرآنِ کریم کا یہ اصول: ﴿وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا'' آیت کے جس پس منظر میں بیان ہوا' یعنی کافروں کو عذاب دینا' اس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے' یعنی جس چیز کا بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے وہ ہو کر رہے گی۔ کیونکہ نہ تو کوئی اللہ تعالیٰ کو مجبور کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اُس کے حکم اور مرضی کو ٹال سکتا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ بندوں کو بھی اُن اَسباب کو اختیار کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے وعدے کی وفا سے متعلق ہوں۔

اس اصول میں بیان ہونے والے معنی کو دل میں پختہ کرنے سے اہلِ اسلام کے دلوں میں اچھی اُمید کی کرن جاگ جاتی ہے۔ اس طرح وہ نہ صرف اپنے دین اور حق کے راستے پر ثابت قدم رہتے ہیں' بلکہ اہل کفر اور باطل فرقے جس گمراہی اور ضلالت پر ہیں' اُن کے بارے میں ان کو مزید یقین ہو جاتا ہے۔ اس بات کی وضاحت یہ ہے کہ مؤمن جسم کی آنکھ سے یا دل کی آنکھ سے مسلسل دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے اپنے دوست بندوں سے کیے انہیں سچا کر دکھایا' اس لیے کہ وہ قرآنِ حکیم میں متعدد روشن واقعات پڑھتا رہتا ہے۔

کیا غزوۂ اُحد کے حوالے سے سورۂ آلِ عمران میں ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں پڑھتے‘ جس میں اس نے فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ ۚ﴾ (آل عمران:۱۵۲)

’’اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم سے ان (دشمنوں) کو کاٹ رہے تھے۔‘‘

سورۃ الروم کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین نہ کرنے کا سبب بیان ہوا ہے اور وہ ہے دنیا سے دل لگا لینا اور اسی کی طرف جھک جانا۔ اگر تم غور کرو تو اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا پرست اور اسی سے دل لگانے والے اللہ کے وعدوں پر یقین کرنے میں بڑے کمزور ثابت ہوئے ہیں‘ جبکہ اللہ والے علماء اور آخرت کے طلبگار اس معاملے میں بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی انہی لوگوں کا ساتھی بنا دے۔

قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کا گزر ایسی آیات پر بھی ہوتا ہے جن سے یہ مفہوم لیا جا سکتا ہے کہ شاید اللہ کے وعدے کی تصدیق میں کوئی الجھن یا شک ہے۔ اس سے کسی کو مغالطہ نہیں ہونا چاہیے‘ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ۝٢١٤﴾ (البقرۃ)

’’کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔‘‘

یہ آیت یا اس قسم کی دوسری آیات ایک وقتی حالت کو بیان کر رہی ہیں‘ جس کا سبب کبھی ایمان کی کمزوری ہوتی ہے اور اکثر اوقات جلد بازی ہوا کرتی ہے۔ یہ کوئی مستقل رہنے والی حالت نہیں ہوا کرتی۔ اگر اللہ کے وعدے میں شک ہو تو اسے اہل ایمان کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں‘ اُسے انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب کرنا تو اور بھی دور کی بات ہے۔ لیکن اللہ کی حکمت بہت عظیم ہے۔ یہ آیات اس لیے بیان ہوئی ہیں تاکہ اس امت کے اہلِ

ایمان کو اطمینان دلائیں کہ مایوسی کے حالات کبھی کبھی بندے پر آ ہی جاتے ہیں‘ جس کی وجہ اہلِ باطل کا دباؤ یا کافروں کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی حالت مؤمن کے ایمان کو نقصان نہیں پہنچاتی اور نہ ہی اس کی سچائی یا تصدیق میں کمی کرتی ہے۔

مؤمن کا یہ کام نہیں کہ وہ کافروں کی ہلاکت کی تاریخیں دے یا اسلام کی فتح کا وعدہ دے یا اس قسم کے دوسرے وعدے دیتا پھرے‘ جنہیں وہ کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ ﷺ میں پڑھتا ہے۔ البتہ اُس کی یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ حسبِ استطاعت اللہ کے دین کی مدد کرے۔ اور نہ ہی حالات کے گزرنے کا انتظار کرتا رہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا۔ اس کی ذمہ داری یہ ضرور ہے کہ اُن شروط کو پورا کرنے کا جائزہ لیتا رہے جو ان وعدوں کے پورا ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً جب وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝٧﴾ (محمد)

’’اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔‘‘

اس موقع پر اُسے چاہیے کہ ان اسباب کو تلاش کرے جن کو اپنانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے‘ تاکہ ایک فرد اور مجموعی طور پر امت میں یہ اسباب پائے جائیں‘ تاکہ اسے اپنے اس سوال کا جواب مل جائے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے خلاف اس امت کی مدد کیوں نہیں کرتا۔ اگر ایک انسان ان آیات کو تلاش کرنا شروع کر دے جو اس اصول ﴿وَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ ؕ﴾ ’’اللہ تعالیٰ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا‘‘ کی وضاحت میں آئی ہیں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ جو بیان ہو چکا ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کا مددگار بنائے اور اپنی راہ کی طرف دعوت دینے والا بنائے۔

(جاری ہے)

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

اسلامی انقلاب کی نقیب

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

نذرحیات خان ☆

باغِ ارم سے کرۂ ارض کی طرف ہبوطِ آدم کے وقت بدیع السماوات والارض نے اپنے لیے خود مقرر کی ہوئی رحمانیت ورحیمیت کی بنا پر انسانِ اوّل اور اس کی ذریت کے لیے یہ زادِ راہ بھی ساتھ عنایت فرمایا کہ ارضی زندگی کی وحشت انگیز خلوتوں اور الم انگیز جلوتوں کے پُل صراطوں کو عبور کرنے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے ضروری ہدایات فراہم کرنے کا وعدہ فرمادیا' تاکہ عقل وشعور' فہم وفراست' تذکّر وتدبر اور تعقل وتفکّر کے ساتھ قندیل آسمان کے نور کے امتزاج سے توازن بدوش نظامِ فکر وعمل تشکیل دیا جاسکے اور انسان وصالِ الٰہی اور فردوسِ گم گشتہ کا حق دار بننے کا اہل ہوسکے۔

تاریخِ انسانیت کا ہر ورق گواہی دے رہا ہے کہ یہ تعمیر وتخریب کی ایک داستانِ دل خراش ہے۔ ہر دور میں انسان اپنے عقل وشعور سے تہذیب کا قصرِ عالی شان تعمیر کرتا رہا لیکن معاشی ناہمواریوں' طبقاتی کش مکش اور طلسماتی شخصیات کی انا پرستیوں اور جذبہ ہائے تغلب وتسلط کے سبب اخلاقی اقدار پامال ہوتی رہیں۔ آدمیت کے ساتھ ابلیسیت' رحمانیت اور صمدیت کے ساتھ بہیمیت' انسانیت کے ساتھ شیطانیت اور حق کے ساتھ باطل کا ٹکراؤ ہوتا رہا ہے۔ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی ہمیشہ ستیزہ کار رہا۔ قدیم تہذیبوں کے کھنڈرات میں سموئی ہوئی المناک داستانیں یہ حقیقت اجاگر کررہی ہیں کہ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے' اعمالِ صالحہ سرانجام دیتے رہے اور تواصی بالحق' تواصی بالصبر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے' باقی سب خسارے میں رہے اور اکثریت میں ہونے کے سبب اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے اپنی تہذیبوں کے عالی شان محلات اپنی ہی بداعمالی کے سبب گراتے رہے اور ان کے ملبے تلے

☆ ہیڈ ماسٹر' محلہ لیویاں والا خوشاب' موبائل نمبر 03006075804

انسانیت دفن ہوتی رہی۔ ان پھیلتے ہوئے اندھیاروں میں کچھ ایسے نفوسِ قدسیہ بھی تھے جنہوں نے جگر پاش مشقتوں' جاں گداز محنتوں اور بے مثال استقلال سے ایسے کار ہائے نمایاں سرانجام دیے جو دوسروں کے لیے مینارۂ نور اور معیارِ عمل ثابت ہوئے۔ ریگزارِ عالم پر ان کے انمٹ نقوش قافلہ انسانیت کے لیے صراطِ مستقیم کی نشان دہی کرتے رہے۔ ہدایت کے متلاشی ان سے سامانِ ہدایت لیتے رہے۔ مصر و یونان' چین وترکستان' روم وایران کی داستان ہائے ہوش ربا اپنے اندر جہاں انسانیت کے مٹنے اور برباد ہونے کا منظر دکھاتی ہیں' وہاں نمرودی ہتھکنڈوں اور حربوں کے بالمقابل ابراہیمی کردار' فرعونی جبر واستبداد کے سامنے موسوی للکار اور ریاکار فقیہوں اور فریسیوں کے سامنے حضرت مسیح علیہ السلام کا مسیحانہ روپ بھی سامنے لاتی ہیں' تاکہ ہر دور کا انسان اپنے لیے سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ کے الٰہی حکم کے مطابق اُن ہی داستانوں سے سبق حاصل کرے اور انسانیت کے ماتھے کے جھومر باکردار اور باکمال انسانوں کے نقوشِ زندگی سے راہنمائی لے سکے۔

قرن ہا قرن کی انسانی تاریخ میں نمرودیت' فرعونیت' ہامانیت اور قارونیت کی حامل انسانیت کش قوتیں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی الٰہی تعلیمات پر تیار کی ہوئی اُمتِ مسلمہ سے برسرِپیکار رہی ہیں۔ انسانیت الٰہی پروگرام کے تحت جب مرحلہ بلوغت میں داخل ہوئی تو پھر انسانوں کو ابدی اور حتمی سکون واطمینان کے لیے عالمگیر اور آخری آسمانی پیغام سے سرفراز کیا گیا اور اسے ربّ کریم نے انسانوں پر اپنا سب سے بڑا احسان قرار دیا۔ انسانی سطوت وثروت کی حامل تعلیم کتاب وحکمت' تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفوس سے انفرادی اصلاح سے لے کر اجتماعی نظامِ حیات کی حامل اُمتِ مسلمہ کو نوعِ انسانی کے لیے برپا اور تیار کیا گیا۔ شخصی انفرادی اوصاف سے مزین مجموعی سلامتی کا حامل عالمی معاشرہ وجود پذیر ہوا۔ متوازن طرزِ حیات پر مشتمل یہ نسخۂ کیمیا اور یہ عالمگیر امت انسانیت کے لیے اللہ کا آخری پیغام اور واحد آخری سہارا ہے۔

اسلام کا معبودِ حقیقی الٰہ الناس' ملک الناس اور ربّ العالمین ہے۔ اس کا مرکزِ عبادت اور قبلہ وُضِعَ لِلنَّاسِ ...... ہے۔ اس دعوت کو پیش کرنے والا پیغمبر اعظم ﷺ مبعوث اِلٰی کافۃ النَّاس اور رحمۃ للعالمین ہے۔ اس کی کتاب عظیم ادبی محاسن سے لبریز اور علمی خزائن کی حامل ھُدًی لِلنَّاسِ' مَوۡعِظَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ' بَصَائِرُ لِلنَّاسِ اور ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ہے۔ خود اس کی حامل امت اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ ہے۔ گویا ہر لحاظ اور ہر پہلو سے یہ عالمگیر طرزِ حیات قابل عمل اور

فطرت سے ہم آہنگ نظامِ زندگی ہے۔ عالمگیر سچائیاں صرف اسی دین برحق میں ہیں اور کوئی اس کا ثانی نہیں۔

تاریخ اسلامی کی یہ داستان دلخراش اور الم انگیز ہے کہ اس بے مثل و بے نظیر دین کا تمکن تھوڑا ہی عرصہ رہا۔ خلافت راشدہ کے بعد اس کے حاملین کی گاڑی کا کانٹا بدل کر اسے غلط راستے پر ڈال دیا گیا۔ پھر افکارِ اسلامیہ کی کربلا میں حسینی قافلے کرب و بلا سے گزرتے رہے۔ شورائیت سے خالی‘ منکرات سے لبریز‘ ذاتی پسند و ناپسند کی حامل ملوکیت کے استبداد سے پُر شخصی حکومتوں نے اسے ’’مذہب‘‘ میں بدل دیا۔ اور جب سیاست سے دین جُدا ہو جائے تو وہ چنگیزیت کا روپ دھار لیتی ہے۔ جو افراد انفرادی طور پر اس دین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے خواہش مند اور آرزومند تھے‘ انہوں نے رہبانیت میں پناہ لے کر تارک الدنیا ہونے کا مسلک نہ صرف اپنایا بلکہ اس کے ابلاغ میں ہی اپنی فلاح ونجات تصور کر لی۔ حکمرانوں نے اپنی اس فتح مندی کے نشے میں ان کی سرپرستی کرنے کے ساتھ عوام الناس میں اپنی مذہبیت پسندی کا اظہار بھی کیا اور اپنے اقتدار کے دوام کے لیے اسے ہتھیار بھی بنایا۔ حریت فکر کے مجاہد اور صاحبانِ علم‘ صلیب علم پر مصلوب ہوتے رہے۔ انہوں نے خونِ جگر سے اس نظریے کی حفاظت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور علماء اور محدثین کے اس مقدس گروہ نے اس طرز حیات کو اپنی علمی تصنیفات اور اپنی ذاتی زندگیوں میں زندہ رکھا۔ زندگی کی رمق باقی رہے تو بیمار و لاچار کے صحت یاب ہونے کی توقع ہوتی ہے۔ اس طرح یہ نظریہ مجددین اُمت کے ذریعے صحت یابی سے ہمکنار ہوتا رہا۔

اسلام ایک زندہ و جاوید نظریہ اور ابدی حقیقت ہے‘ کیونکہ اس کے اصول و احکام ابدی‘ حتمی‘ اٹل اور قابل عمل ہیں اور جو بھی‘ جب بھی‘ جہاں بھی اس سے فیض حاصل کر کے اس پر عمل کرے گا تو اسے خوشگواریاں‘ ابدی رحمتیں اور سکون و اطمینان کی بے بہا دولت ضرور نصیب ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا اپنی عقل و فکر سے ٹھوکریں کھا کر مختلف نظام ہائے زندگی اختیار کر کے آخر کار جس اصول کو انسانیت کے لیے وجہ بہار سمجھتی ہے‘ وہ اسلام ہی کی کوئی نہ کوئی کرن ثابت ہوتی ہے۔ آج صداقت جہاں کہیں ہے اس کتاب مبین کا کوئی نہ کوئی ورق ہے جسے رسولِ مقدس ﷺ نے جبین کعبہ پر آویزاں کیا تھا۔

ہر زمانے میں مسلمانوں کے احیاء کے لیے حسینی قافلے میدانِ عمل میں آتے رہے اور انہوں نے زہرہ گداز مشقتیں اور مصائب برداشت کر کے یہ فریضہ سرانجام دیا اور مسلمانوں کے

شہر خموشاں میں صورِ اسرافیل پھونک کر اسے حیاتِ تازہ سے ہمکنار کر دیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کا کوئی خطہ ایسے مردانِ حُر سے کبھی خالی نہیں رہا۔

برصغیر پاک و ہند میں مغل اعظم کے دین الٰہی کے آگے بند باندھ کر مسلمانوں کی مردہ رگوں میں خونِ تازہ رواں کرنے والی شخصیت حضرت مجدد الف ثانی ؒ کی جدوجہد اپنی مثال آپ ہے۔ وہ ہند میں سرمایہ ملت کے نگہبان ثابت ہوئے اور اگر وہ سینہ سپر نہ ہوتے تو وحدتِ ادیان کے نام سے بے دینی کا سیلاب مسلمانوں کی میراث بہا لے جاتا۔ شاہی چھتری تلے دشمنانِ دین‘ شاہی خوشامدیوں‘ مفاد پرستوں اور جاہ طلبوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی علمی ہستی فنا ہو جاتی۔ پھر دورِ زوال میں حضرت شاہ ولی اللہ ؒ اور ان کے خانوادے کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں۔ سیاسی‘ انتظامی‘ علمی ہر شعبے میں ان کے کارہائے نمایاں امتِ مسلمہ کی بحالی اور حیاتِ تازہ کی نوید اور مستقبل میں اُمت کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی شخصیت مصلحین کی جملہ خصوصیات کا مجموعہ تھی۔ دیوبند‘ علی گڑھ اور ندوہ وغیرہ کی جامعات مختلف طرز کے تعلیمی نظام کی حامل ہونے کے باوجود فکرِ ولی اللہ کے چشمے سے پھوٹنے والے سوتے اور اس سے روشنی مستعار لینے کی دعوے دار ہیں۔ سب اسی فکر کے خوشہ چین اور اسی فکر سے فیض پانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے میدان میں امت مسلمہ کی ضرورت کو پورا کیا۔ اس وقت ضرورت تھی کہ کوئی ایسی دعوت اٹھے جو ان کے امتزاج کی حامل اور حدودِ اسلامی کی مکمل پاسداری کرنے والی ہو اور ان سب بہتے دریاؤں کو ایک سنگم پر ملا دے۔ چنانچہ بیسویں صدی کی ابتدا میں اس جامع فکرِ اسلامی کا ’’الہلال‘‘ طلوع ہوا۔ مولانا آزاد کی ابوالکلامی کا اظہار ’’الہلال‘‘ اسی دعوت کا نقیب بن کر ابھرا جس نے قرنِ اوّل میں دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا اور جس نے آنِ واحد میں انسان کی کایا پلٹ دی تھی۔ یہ اسی صوتِ ہادی کا پرتو تھا جس نے فاران کی چوٹیوں سے ابھر کر پوری دنیا کو سکون و اطمینان کی دولت سے ہمکنار کر دیا تھا۔

الہلال کیا تھا؟ جس نے بھی چشم بصیرت سے اس کا مشاہدہ کیا وہ مجددِ وقت حضرت شیخ الہند ؒ کی طرح بے ساختہ گواہی دے گا اور ہر صاحب نظر پکار اٹھے گا کہ اس نے اُمت کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا تھا۔ اسی لیے تو ’’امام الہند‘‘ کی سند کے لیے حضرت شیخ الہند کی نگاہوں میں یہی جچے تھے۔ واقعتاً یہ دعوت الی اللہ بذریعہ رجوع الی القرآن کی دعوت تھی اور اُس نے اس وقت اُمت پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ دردمندانِ امت نے اسے اپنی پُرسوز دعاؤں کا ثمرہ سمجھا‘ اپنی گُل پوش تمناؤں کا مظہر جانا اور ان کی عزیز تر امیدیں اس دعوتِ حق سے وابستہ

ہونے لگیں۔ الہلال اور البلاغ کی ہر تحریر اذانِ حق تھی‘ جس کا مقصدِ وحید اُمت مسلمہ کو پکارنا‘ بیدار کرنا اور اسے وحدت میں پرونا تھا۔ وہ صورِ اسرافیل تھی جس کا مقصد امت مرحومہ کو خوابِ غفلت سے جگانا اور عشق کی بجھی آگ کو پھر سے روشن کرنا اور خاک کے ڈھیر کو پھر سے شعلہ جوالہ بنانا تھا۔ یہ اس تگ و تاز کے حصول کے لیے امت مسلمہ کو فکری ہجرت پر آمادہ کرنا تھا کہ سارے پامال نظریوں اور طریقوں کو ترک کر کے اُسوۂ نبوی ﷺ کو اپنا لے جو انقلابِ حقیقی‘ تمکن دین فی الارض اور اظہارِ دین الحق علی الدین کلہ کے لیے ضروری تھا۔ اگر اسلام صرف رسوم و رواج اور پوجا پارٹھنا کا ہی نام ہوتا تو اللہ کریم کے مقدس گھر کے حامل شہر سے ہجرت فرما کر وادیٔ یثرب کو مدینہ منورہ نہ بنایا جاتا۔ ہجرت‘ دعوتِ نبوی ﷺ کا وہ مرحلہ ہے جہاں دنیا پر یہ حقیقت روشن کی جاتی ہے کہ اسلام اپنی تہذیب و تمدن کے لیے علیحدہ قومیت کا حامل اور اپنے نفاذ کے لیے الگ خطہ ارضی کا خواہاں ہے جہاں اسلامی اصول و ضوابط اور احکام کے مطابق انسان زندگی بسر کر کے دنیا کو جنت ارضی کا نمونہ دکھا سکے۔

اسلام کیا ہے؟ یہ کس طرح قیامت تک آنے والی انسانیت کی پیاسی اور بے چین روحوں کی تسکین کا سامان ہے‘ کیسے ہر دور کے مسائل کا قابلِ اطمینان حل‘ عالمگیریت اور جامعیت کا حامل دین ہے‘ الہلال کی ہر تحریر میں یہی مباحث ہوتے تھے۔ الہلال اور البلاغ کی دعوت اس لحاظ سے منفرد تھی کہ صدیوں کے زوال کے بعد اس نے صراطِ مستقیم کی درست نشان دہی کی تھی‘ لیکن ’’حسرت اِن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے!‘‘ اس دعوت کے پیش کرنے والے داعی کے خود کو ہر ایک سے بلند و بالا سمجھنے اور خود کو اس دعوت کے لیے ناگزیر سمجھنے کی وجہ سے اس دعوت کا سورج حوادثِ زمانہ کی آندھیوں میں دھندلا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد کا علمی مقام و مرتبہ بہت بلند تھا‘ ان کی ذوقی پرواز آسمانوں کی خبر لاتی تھی‘ لیکن کچھ بزرگ علماء کے تحفظات نے انہیں امام الہند کے منصب پر فائز ہونے سے محروم کر کے اُمت کو اُبھارنے‘ وحدت میں پرونے اور اسے خلافت فی الارض کے لیے اُٹھنے والی دعوت سے محروم کر دیا۔ اُمت کا یہ چراغ پھر غیروں کے گھروں میں روشنی دینے لگا۔ اُمت مسلمہ کا ثمر آور درخت صحن مسلم میں تو لگا رہا لیکن اس کے پھل غیروں کے حصے میں آئے اور اس کی چھاؤں دوسروں کو نصیب ہوئی اور پھر ان کو اسلام کی منفرد اور لازوال تعلیم دوسرے مذاہب کے مساوی نظر آنے لگی‘ عالمگیر سچائیاں ہر مذہب میں یکساں طور پر محسوس ہونے لگیں اور وحدتِ ادیان

سے جمعیت وحدتِ اقوام کا نظریہ کشید ہونے لگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ ؒ جیسی اعلیٰ اور جامع کمالات شخصیت نے اسلامی تاریخ میں جو بے مثال علمی و عملی ورثہ چھوڑا‘ اس کے سہارے حضرت سید احمد شہید اور شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہما اللہ کی تحریک جہاد نے جنم لیا اور فروغ پایا‘ لیکن اپنوں کی غداریوں اور کچھ امت مسلمہ کی بحیثیت مجموعی بے حسیوں نے اسے ثمر بار نہ ہونے دیا۔ یہ شعلہ بڑی شان سے بھڑکا اور عزم و استقلال‘ جرأت و ہمت کی کہنہ داستانوں کو از سرِ نو زندگی بخش گیا۔ بظاہر اس تحریک کی ناکامی کے بعد احیاءِ امت کی انفرادی کوشش ہوتی رہی‘ اصلاحی و انقلابی تحریکیں بھی اُٹھیں‘ سب نے اُمت کا سینہ تو گرمایا اور جوش و جذبے سے ہمکنار بھی کیا لیکن نتائج کے اعتبار سے کسی سے بھی امت کا کُلی احیاء ممکن نہ ہو سکا۔ الہلال کی دعوت ان سب پر اس وجہ سے فوقیت رکھتی ہے کہ اسے اس عزم کے ساتھ سامنے لایا گیا تھا کہ امت کی بحیثیت مجموعی بیداری اور اخروی تیاری کو انقلابِ نبوی ﷺ کے منہج پر آگے بڑھایا جائے گا۔ لیکن اس دعوت کے داعی میں خوئے دل نوازی‘ مخالفت کو برداشت اور ہضم نہ کر سکنے کی ہمت کے فقدان اور تحمل کی کمی نے اس کو گہنا دیا اور اس کا رخ ہی بدل دیا۔

نظامِ فکر و عمل اور نظریہ سوچ آفاقی‘ دائمی اور عالمگیر ہو تو انسانیت پیہم تجربات کے بعد ٹھوکریں کھا کر اس کی طرف آخر کار آ جاتی ہے‘ البتہ اس پر عمل کرنے والے اگر اسے ترک کر دیں تو نظریہ تو زندہ رہتا ہی ہے‘ کبھی زوال آشنا نہیں ہوتا‘ لیکن ترک کرنے والے خود بھولی ہوئی داستان بن جاتے ہیں۔ انسانی تاریخ میں اسلام کو کبھی زوال نہیں آیا اور نہ ہی آ سکتا ہے کہ اس سے بڑھ کر مکمل‘ مدلل‘ محکم‘ پائیدار‘ حتمی‘ آفاقی نظریہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا کہ خالق کائنات کا عطا فرمودہ ہے جو سمیع و بصیر‘ علیم و خبیر ہے‘ البتہ مسلمان اس پر ترکِ عمل کے بعد زوال کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ دشمنانِ دین اسلام سر توڑ کوششوں کے باوجود اسلام کے سرچشمہ اور بنیاد قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی اور ترمیم نہ کر سکے‘ اس لیے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خالق کائنات نے خود لے رکھا ہے۔ محدثین کی مساعی اور امت کے مجموعی عمل کے سبب سنت رسول ﷺ کو مٹانے کی ہر سازش بھی ناکام ہوئی۔ ’’الہلال‘‘ اگر فکرِ اسلامی کا بدرِ کامل نہ بن سکا تو اس سے اس نظریے کی آفاقیت و اہمیت تو کم نہ ہوئی‘ البتہ اس کے پیش کرنے والے اس کے داعی ہونے کی سعادتِ عظمیٰ سے محروم ہو گئے۔ نہ صرف اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی سے

قاصر رہے بلکہ غیروں کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے اور اس طرح مسلمانوں کا سیاسی زوال اور گہرا ہو گیا‘ ان کے خلاف سازشیں زور پکڑ گئیں۔ جدید تعلیم کی آڑ میں روشن خیالی اور وقت کے بدلتے تقاضوں کے بہانے انقلابی اسلام کے خوش نما پردوں میں اسلام کے عقائد و نظریات کو ناقص عقلی کسوٹیوں پر پرکھا جانے لگا۔ مسلمانوں سے ان کا مرکز ثقل یعنی جذبہ عشق و محبت رسالت مآب ﷺ چھیننے کے لیے نئی جعلی نبوت تک کا ڈھونگ رچایا گیا۔ مسیلمہ کذاب کے فتنے کے خاتمے کے لیے جس طرح امت مسلمہ کے کثیر حفاظ کرام سے امت کو محروم ہونا پڑا تھا‘ اسی طرح اس جدید فتنے کی سرکوبی کے لیے بڑی قربانیاں دینی پڑیں‘ لیکن یہ فتنہ اس لیے پروان چڑھتا گیا کہ اسے اسلام دشمن سامراجی قوتوں اور حکمرانوں کی چھتری میسر تھی۔ مسلمان جو سیاسی طور پر کمزور تھے اس کا دفاع کماحقہ انتظامی قوت سے نہ کر سکے۔

بہر حال بے حد چرکوں کے بعد امت مسلمہ میں بہت سی روحوں نے الہلال کی دعوت کا دامن تھاما تھا۔ پھر ’’الہلال‘‘ اور ’’البلاغ‘‘ کی فکری کوکھ سے عشق کی اس بجھی ہوئی راکھ سے ایک شرار اُبھرا جس نے بڑے بڑے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ اور مائل کر لیا۔ ایک دعوتِ حق کی حامل جماعت کی ضرورت تو ہر وقت رہتی ہے‘ لیکن اُس وقت اس کے لیے میدان خالی تھا تو ان تحریکوں کے نبض شناس مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی اس عزم اور ارادے سے شروع کی کہ اسلام بحیثیتِ دین مخلوقِ خدا سے منوایا اور اس پر عمل کر کے بھی دکھایا جائے گا۔ الہلال کی اس پکار کا تسلسل برقرار رکھا جائے گا‘ جسے شخصیات کے ٹکراؤ کے سبب بھلا دیا گیا تھا۔ ندوہ کے عالی دماغ مولانا علی میاں اور مسعود عالم ندوی‘ خالص مذہبیت کے پیکرانِ جمیل و جلیل مولانا عبدالغفار حسن اور منظور احمد نعمانی‘ انسانی تدبر و تفکر کے داعی اور فکر فراہی کی امانت کے عملی و علمی وارث امین احسن اصلاحی اور صدر الدین اصلاحی‘ خانقاہی سلسلے کے گُل سر سبد حضرت جعفر شاہ پھلواری اور جدید تعلیم کے حامل میاں طفیل محمد (رحمہم اللہ) جیسے اُمت مسلمہ کے بے شمار ہیرے اس قافلے میں شامل ہوئے۔ اس دعوت کے پیش کرنے والوں نے اسے اس دعوے کے ساتھ پیش کیا کہ دوسری اصلاحی تحریکیں جزوی اصلاحات کی حامل ہیں‘ لیکن ہماری دعوت مکمل اسلام کی جامع کلی دعوت ہے‘ جس کا ساتھ دینا اسلامیانِ ہند پر فرضِ عین کے درجے میں ہے۔ ابتدا میں اگرچہ اس کو اتنا محسوس نہ کیا گیا لیکن آگے چل کر نامی گرامی علماء کے اس تحریک کو چھوڑنے کا سبب یہی سوچ ٹھہری۔ مسلم امہ کے احیاء کے لیے اٹھنے والی تحریک کو اس کے سیاسی

و اقتصادی مفادات کا تحفظ بھی سوچنا ضروری تھا‘ مشاورت اور مفاہمت کے سنہری اصولوں کو بھی اپنانا تھا‘ لیکن اس تحریک نے مسلمانوں کی سیاسی قوت کا حلیف بننے اور اس میں اصلاح کے قابل لوگوں کو ہمنوا بنا کر مستقبل کی راہ ہموار کرنے کی بجائے الٹا اس کا احتساب کرنے میں ساری توانائی خرچ کر ڈالی۔ مخالفت اس انتہا تک لے گئے کہ انہیں خوردبین لگا کر بھی سیاسی قیادت میں اسلامیت کی کوئی چھینٹ نظر نہیں آتی تھی۔ انہیں وہ سارے بازی گروں کا ٹولہ لگتے تھے۔ پھر مختلف وجوہ کی بنا پر مختلف اوقات میں آسمانِ علم و ادب کے یہ درخشندہ ستارے ایک ایک کر کے اس کہکشاں سے ٹوٹتے رہے۔ پے در پے چرکوں کے لگنے سے اس دعوت کی افادیت مسلم امہ کو محسوس ہی نہ ہو سکی۔ پھر مزید ستم یہ ہوا کہ وقتی منزل تک پہنچنے کی عجلت نے ایسے اقدامات کرائے کہ ساری دعوت‘ اسلامی اور اصلاحی انقلاب کی بجائے سیاست کی نذر ہو گئی۔ زیادہ سے زیادہ اسے اب وقتی پریشر گروپ قرار دیا جا سکتا ہے جس نے پاکستان میں کئی مرتبہ دوسروں کی اعانت سے جوش و جذبہ ابھارا لیکن اپنی منزلِ مقصود کو کبھی نہ پا سکی۔ اکثر و بیشتر دوسروں نے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ ہوش مندوں کے جماعت سے نکلنے کے بعد جوش کے متوالے اس دعوت کے داعی ٹھہرے تو حصولِ جنت اور تمکّن فی الارض کا خواب کیسے شرمندہ تعبیر ہو سکتا تھا؟

جس طرح افسانوی پرندے سیمرغ کے بارے میں مشہور ہے کہ وقتِ آخر وہ ایسا راگ الاپتا ہے کہ اس کے وجود میں آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ راکھ کا ڈھیر ہو جاتا ہے‘ پھر جب اس پر بارش برستی ہے تو اس راکھ سے نیا سیمرغ جنم لیتا ہے‘ ایسے ہی ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ جماعت میں جو راگ چھڑا اس نے اس جماعت کے بہت سارے علم و عمل کے ستون گرا دیے۔ لیکن چونکہ قدرت کو اس دعوت کا تسلسل منظور تھا تو بارانِ رحمت کے برسنے پر ایک مردِ قلندر نے اس پرچم کو تھام لیا۔ مسلم امہ کے احیاء اور اس میں اسلامی روح کی بیداری کے لیے اس عظیم الشان دعوت کا پرچم تنظیم اسلامی نے سربلند رکھنے کے عزم کے ساتھ تھاما۔ اس کے داعی کے پاس فکر فراہی و اصلاحی کی امانت بھی تھی‘ ترجمانِ حقیقت‘ طرۂ کلاہِ ملک و ملت‘ زندہ رودؔ علامہ اقبال کا سوز و سازِ رومی اور پیچ و تابِ رازی بھی تھا‘ ابوالکلام آزاد کی داعیانہ للکار بھی تھی‘ مردانِ حر کے جذبہ حریت کی شمع بھی اس کے قلب میں روشن تھی۔ تہذیبِ مغرب کے تیشہ زن اور نقاد مولانا مودودیؒ کا بصیرت افروز قلم بھی اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ ساتھ شیخ الہندؒ کے جذبہ آزادی و

حریت جیسی دولت عظمیٰ سے بھی وہ سرفراز تھا۔ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ کے اسرار و رموزِ ربانی کی حامل قرآنی روشنی سے فیض رسانی کی اہلیت والی چشم بصیرت بھی رکھتا تھا اور نظریۂ پاکستان سے لگاؤ بھی اس کے قلب ونظر میں موجزن تھا۔

اسلام ایک دین فطرت ہے۔ ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات اور لائحہ عمل ہے جو انفرادی سے اجتماعی اور قولی سے عملی سطح پر اصول وضوابط دیتا ہے۔ زمان ومکان سے ماوراء ایسے اصول دیتا ہے جو دائمی فوز وفلاح اور ابدی خوشگواریوں کے حامل ہیں۔ اور چونکہ یہ دین ہے' مذہب نہیں' اس لیے اس کے تمکن کے لیے ایک قطعہ ارضی کا ہونا ضروری ہے جہاں اس کا نفاذ ہو۔ وحدتِ ملی' رواداری' حریت وآزادی' مساوات' عدل وانصاف اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس کے نظامِ اجتماعیہ کو خلافت علیٰ منہاج النبوت کا نام دیا گیا ہے۔ اسی دعوت کی نقیب تنظیمِ اسلامی ہے جس کی اساس وبنیاد دعوت رجوع الی القرآن پر رکھی گئی ہے۔ اس کے بانی نے اسلام کے سیاسی' اخلاقی' معاشرتی' معاشی اور عباداتی نظام کو شرح وبسط کے ساتھ متوازن اور معتدل انداز میں اجاگر کیا۔ تاریخ کے ان نازک واقعات کی صحیح صحیح توضیح کی جو خلافت کو ملوکیت میں بدلنے کا سبب بنے۔ ان پوشیدہ تاریخی گوشوں کو منصفانہ قلم سے بے نقاب کرنے کی بھی سعی کی جو اس المیہ عظیم کی وجوہات سامنے لاتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق ان بلند مرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت وکردار کو بھی نمایاں کیا جو ان واقعات کی دھند کی زد میں تھے۔ اسلام کے نظامِ حدود وتعزیرات کو بھی اس طرح پیش کیا کہ وہ وقت کے تمام بدلتے تقاضوں کے عین مطابق نظر آتے ہیں۔ اسلام کے اجتہادی تصور اور اس کی حدود وقیود کو بھی متوازن طور پر نمایاں کیا۔ نہ تو اس بے لگام انداز میں پیش کیا کہ دین کا حلیہ ہی مختلف ہو جائے اور نہ ہی اتنے فرسودہ انداز میں پیش کیا کہ اسلام جامد اور چلا ہوا کارتوس محسوس ہو۔ ایمان' اسلام اور احسان کی دل آویز تشریح بھی فرمائی اور عملی زندگی میں ان کے اطلاق سے بھی قلب ونظر کو روشن کیا۔ اپنے متوسلین اور عامۃ الناس کے تزکیۂ نفوس کے لیے قرآن کریم کا جامع ترین منتخب نصاب نہ صرف مرتب کیا بلکہ بار بار اس کی یاددہانی اور دہرائی بھی کرائی تاکہ اچھی طرح ازبر ہو جائے اور اس پر عمل کی ترغیب بھی ملے۔

قرآن کریم کے نام پر اٹھنے والی تحریکوں کے امت پر اثرات سے بھی آگاہ تھے اور اس راستے سے آنے والے ملحدانہ خیالات سے بھی آگاہی رکھتے تھے۔ اس لیے محتاط رویے کے

حامل رہے اور اس ضمن میں علمائے کرام کے خدشات کو بھی پیش نظر رکھا اور امت کے لیے ان خطرات کے ازالے کی سعی بھی فرمائی۔ نہ صرف اسلام کی بنیاد عقیدۂ توحید کے اسرار ورموز کو عام فہم انداز میں پیش کیا بلکہ عملی زندگی میں اس کے اثرات بھی واضح کیے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ انسان کے قلب ونظر میں جس قسم کا تصورِ الٰہ ہوتا ہے اس کی زندگی اور اس کا رہن سہن بھی اسی کے مطابق ہو جاتا ہے' اس لیے توحید عملی کو جاندار انداز میں اجاگر کیا۔ انسانی تاریخ میں خواہشات نفس کی پیروی اور خود اپنے ہاتھوں تراشیدہ بتوں سے انسان خود کو آلودہ کرتا رہا ہے۔ غفلت وذلت کی انتہا ہے کہ انسان شرک میں مبتلا ہو کر شرف انسانیت کے بلند منصب سے گر جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر دعوتِ حق کا نقیب شرک' اقسامِ شرک اور اس میں مبتلا ہونے کے نتائج وعواقب اور انجام بد سے آگاہ ہو اور دوسروں کو خبردار رکھے اور اپنے ساتھ منسلک لوگوں کو اس گندگی' ظلم اور نجاست سے بچائے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اس حوالے سے بھی یادگار تحریریں چھوڑیں۔ تحریر وتقریر کے ذریعے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال مؤثر طریقے سے کیا۔

مراصد میں بیٹھ کر گھات لگانے والوں اور مختلف اوقات میں مختلف خوش نما عقیدتوں کے لبادے میں اسلامی تعلیمات پر وار کرنے والوں نے اپنی سی ہر کوشش کی کہ کسی طرح اسلام کی تابناک روشنی کو بجھایا جا سکے۔ تصوف کے نام پر اس کا میدانِ عمل محدود کرنے کا وار بھی کیا' زہد کے روپ میں اس میں رواں زندگی کو سلب کرنا چاہا اور شاید یہی وہ میدان ہے جس راستے اسلام پر زیادہ مہلک وار کرنے کی جسارتیں ہوئیں۔ آج اسی وجہ سے کچھ نے تصوف کو سرزمین اسلام میں اجنبی پودا قرار دیا اور کسی نے اسے ہی مطلوبہ ایمانی پھل قرار دے کر ساری تگ وتاز کا مرکز بنا دیا اور سارا سرمایہ حیات اسی پر لگا دیا۔ ایسے میں چند نادرۂ روزگار ہیرے ہی ایسے ہوں گے جنہوں نے دامن حیات کی افراط وتفریط کے کانٹوں سے بچا کر خود کو منزلِ حقیقی پر گامزن رکھا ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ کا شمار بھی ان انمول مسلمانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے تصوف کی حقیقت کو پہچانا اور اس کے مروجہ طریقوں اور وظیفوں کے بجائے اس کے مقاصدِ جلیلہ کو شریعتِ حقہ کی روشنی میں جانچا اور پیش کیا۔ اگر وظیفے اور طریقے اپنائے تو انہیں سنتِ رسول ﷺ کی روشنی اور اس کی مقرر کردہ حدود میں رکھ کر اپنایا۔ ہر طرف کے موقف کو پیش کر کے معتدل اور متوازن طرز سوچ اپنائی اور دکھائی۔ اس معاملے میں ان کو دادِ تحسین ادا کرنے پر ہر

صاحب بصیرت انسان خود کو مجبور پاتا ہے۔

حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات سے عشق و محبت مسلمانوں کا سرمایہ اور گنجینہ ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں بھی اجاگر کیں۔ اُسوۂ رسول ﷺ پر بھی لاجواب تحریر سے جہانِ عالم کو منور اور قرطاس کو معطّر کیا۔ سیرتِ خیر الانام ﷺ اللہ کریم کی بخشی ہوئی اور قرآن کریم کی بیان کی ہوئی محبت میں سرشار ہو کر بیان کی۔ غرض اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے کرنے کا جو کام تھا اس کی نشان دہی بھی فرمائی۔ اسلام اپنے اجتماعی نظام کے عملی نفاذ کے لیے ایک علیحدہ خطہ ارضی کا متقاضی ہے۔ پاکستان کا قیام اسی اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے تھا اور یہی اس ملک کی اساس اور وجہ قیام و بقا ہے۔ پھر عالمی اور برصغیر پاک و ہند کے موجودہ حالات و واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے پاکستان کا قیام واقعتاً اللہ کی نعمت عظمیٰ تھا۔ یہ تو عین سعادت ہوتی کہ یہاں اسلام کا نفاذ ہو جاتا۔ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ استحکام پاکستان کے آرزومند اور اس کے لیے حساس طبیعت رکھتے تھے۔ شروع سے ہی اس کے قیام کی تحریک میں شامل رہے۔ جب بھی ملک میں فکری علمی یلغار اس کے بنیادی نظریے کے خلاف اٹھی تو اس کا بصیرت افروز انداز میں دفاع کیا اور بالکلیہ ہر سوچ کو رد کرنے کے بجائے اس کے مضر پہلوؤں پر ہی چشم کشا انداز میں لکھا اور ساتھ ان کے اچھے پہلوؤں اور اچھے جذبوں کی تحسین بھی فرمائی۔ اسلام اور پاکستان‘ پاکستان کا مستقبل اور استحکامِ پاکستان پر ڈاکٹر صاحبؒ کی تحریریں دراصل پاکستان کے اساسی نظریے کا کامیاب دفاع کرتی ہیں۔ اس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ عظیم محبّ وطن انسان تھے۔

ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ واجب الاحترام علماء سے ہدایت اور راہنمائی کے ہمیشہ طالب رہے۔ قرآن کانفرنسوں اور قرآنی محاضرات میں ان کو احترام و عقیدت سے بلا کر انہیں دعوت دیتے رہے کہ وہ ان کی پیش کردہ فکر اور برپا کی ہوئی تنظیم اسلامی کو اسلامی تنقید کی میزان میں تولیں کہ کہیں کوئی کمی یا کجی نظر آتی ہے تو بادلائل شریعہ اس کا برملا اظہار کریں اور اس پر متنبہ فرمائیں۔ ان کے سامنے بیٹھ کر انہیں کرسی صدارت پر بٹھا کر اور مہمانِ خصوصی کا مقام دے کر خود کو ان کے حضور پیش کر کے ان سے طلبِ ہدایت کے لیے دامن پھیلایا۔ یہاں ان کی شخصی خوبیوں اور ان کے اخلاقِ حسنہ کا اعتراف بھی کیا گیا اور ان کے جذبہ دینی کو بھی سراہا گیا‘ لیکن ان کی پیش کردہ دعوت میں کوئی قابل ذکر کوتاہی سامنے نہ لا سکنے کے باوجود ان سے عملاً تعاون

نہ مل سکا۔ دوسروں کے سرد مہری کے رویے اور مطلوبہ سرپرستی نہ ملنے کے باوجود یہاں ردعمل منفی نہیں ہوا اور نہ ہی ان کے پایہ استقلال میں کمی آ سکی بلکہ اس امر نے انہیں اور پختہ کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ نے ’’منہج انقلاب نبوی ﷺ‘‘ میں انقلابِ اسلامی کے جو مراحل بیان فرمائے ہیں‘ وہ واقعتاً فکری دنیا میں انقلاب لانے کا باعث ہو سکتے ہیں۔ عملی زندگی میں بھی بعض اوقات حالات کے مطابق آگے بڑھنے کے لیے طریقہ کار میں کچھ تبدیلیاں لانی پڑتی ہیں‘ لیکن منزلِ مقصود کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ دنیا میں اصلاحی‘ فلاحی‘ اسلامی انقلاب کا حقیقی مرحلہ وار وہی طریقہ ہے جو اس کتاب میں اُجاگر کیا گیا ہے اور یہی منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔ مسلم اُمہ کے اندر تفریق پیدا کرنے میں شخصیت پرستی اور شخصی غلامی نے بھی بڑا کردار ادا کیا ہے‘ لیکن تنظیم اسلامی میں شخصی بیعت ذاتی غلامی کا نام نہیں بلکہ دعوت کے ابلاغ اور انقلاب کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے اور سمجھنے کی شعوری اور تنظیمی کوشش ہے کہ رواں پانی کناروں کا پابند نہ رہے تو سیلاب بن جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی صلاحیتوں‘ محبتوں اور عقیدتوں کو کسی کے دامن سے شخصی طور پر وابستہ رکھنا ضروری ہے لیکن یہاں شریعہ کے احکام کی پابندی شرطِ اولین ہے۔ اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ تنظیم اسلامی وہ اہلیت رکھتی ہے کہ تشکیل پانے والے اسلامی نظام کو اجتماعی اور انفرادی طور پر احسن طریقے سے چلا اور سمجھا سکے۔ اللہ کریم ہم سب کو تنظیم اسلامی کی اصلیت‘ حقیقت اور اہمیت کو سمجھنے کا شعور بخشے اور اس کا ساتھ دینے کی ہمت و استطاعت بھی عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

بقیہ: روزہ اور تہذیبِ نفس

جس اقتدار کے لیے اُس کی طرف سے کوئی سند نہ ہو‘ اُس کی اطاعت کے لیے فردِ مومن کے نفس میں کوئی آمادگی بھی نہ ہو۔ (۴) ہر فرد کی اخلاقی تربیت اس طور پر کی جائے کہ اُسے اپنی خواہشات پر عملاً پورا اقتدار حاصل ہو۔ وہ اپنے نفس و جسم کی تمام قوتوں پر اتنا قابو رکھتا ہو کہ اپنے عقیدے اور علم و بصیرت کے مطابق اُن سے کام لے سکے۔ اُس میں صبر‘ تحمل‘ جفاکشی‘ توکل علی اللہ اور ثابت قدمی و یکسوئی کی صفات پیدا ہو جائیں اور اس کے کریکٹر میں اتنی قوت پیدا ہو جائے کہ وہ خارجی ترغیبات اور اپنے نفس کے ناجائز میلانات کا مقابلہ کر سکے۔‘‘ ❁❁❁

تحفّظِ خواتین بل

کا شرعی اور معاشرتی جائزہ

مولانا زبیر احمد صدیقی ☆

حمد و ثناء ربّ لم یزل کے واسطے جس نے کائنات و عالم کو بنایا' درود و سلام سیدِ کونین ﷺ کے حضور جنہوں نے کائنات و عالم کو سنوارا۔ اما بعد!

بلاشبہ اسلام دینِ فطرت اور معاشرتی مذہب ہے۔ اسلام نے معاشرہ کے ضعیف' مجبور' ناتواں اور بے بس طبقات کے حقوق کو دوٹوک اور اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ خواتین کے سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات اور ہدایات تمام طبقات کے حقوق سے زیادہ اور تاکیدی ہیں۔ خواتین کو شریعت نے جو حقوق دیے ہیں' شاید دیگر طبقات کو اتنے حقوق نہیں ملے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک مستقل سورت خواتین کے احکام اور نام کے ساتھ مختص کی گئی یعنی سورۃ النساء (خواتین کی سورت) علاوہ ازیں سورۃ النور' سورۃ الطلاق اور بعض دیگر سورتوں میں بھی خواتین کے حقوق کو اجاگر کیا گیا ہے۔ رحمتِ دو عالم ﷺ کی خواتین کے متعلق تعلیمات بھی دوٹوک' واضح اور لاریب ہیں۔ آپ ﷺ نے صرف زبانی قوانین ہی ارشاد نہیں فرمائے بلکہ عملاً خواتین بالخصوص ازواجِ مطہرات و بنات رضی اللہ عنہن کے ساتھ حسنِ سلوک کا شاندار مظاہرہ فرما کر اُمت کے لیے راہ متعین فرمائی۔

اِس سے قبل کہ زیرِ نظر بل اور اس کے ممکنہ معاشرتی خرابیوں کا جائزہ لیں' ضروری محسوس ہوتا ہے کہ خواتین کے متعلق اسلام کی تعلیمات کا اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اِس بل کی پنجاب اسمبلی سے منظوری کے بعد حکومتی اور نشریاتی اداروں کی جانب سے مذہب اور اہلِ مذہب یعنی علماء کرام کے خلاف یہ منفی تأثر قائم کیا جا رہا ہے کہ یہ طبقہ خواتین کے سلسلہ میں تنگ

☆ صوبائی ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان

نظر اور ...... العیاذ باللہ ...... مذہب کی تعلیم اِس سلسلہ میں ناقص ہے۔ ذیل میں سورۃ النساء میں خواتین سے متعلق ذکر کیے گئے قوانین کا اشاریہ ذکر کیا جا رہا ہے:

(۱) ...... خواتین کو مہر کی ادائیگی کی تاکید (النساء:۴)

(۲) ...... خواتین کے لیے وراثت کی ادائیگی اور اُن کے حصص کی تفصیل (النساء:۱۲'۱۱'۷)

وراثت میں حصص کی تفصیل بلحاظ بیٹی' ماں' بیوی' اور بعض صورتوں میں بہن وغیرہ (ایضاً)

(۳) ...... بدکار بیوی کی اصلاح کا طریقہ (النساء:۱۶)

(۴) ...... خواتین پر ظلم وستم کی ممانعت (النساء:۲۰'۱۹)

(۵) ...... وہ خواتین جن سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں' اُن کی فہرست (النساء:۲۳ تا ۲۲)

(۶) ...... مہر کی کمی بیشی کی صورت (النساء:۲۴)

(۷) ...... خواتین و حضرات کو مخالف جنس کی آرزو سے ممانعت (النساء:۳۲)

(۸) ...... مردوں کے درجہ میں خواتین سے فوقیت اور اس کے اسباب (النساء:۳۴)

(۹) ...... نیک خواتین کون ہیں؟ اور اُن کے اوصاف (النساء:۳۴)

(۱۰) ...... جھگڑالو بیوی کی اصلاح کا طریقہ کار (النساء:۳۴)

(۱۱) ...... زوجین میں مصالحت کی ترغیب اور طریق کار (النساء:۳۵)

☆ خواتین کے سلسلہ میں قرآن کریم نے مختلف مقامات پر جو ہدایات ارشاد فرمائیں' اُن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

(۱۲) ...... شوہر کی حیثیت کے مطابق بیوی کا نفقہ بذمہ شوہر (البقرۃ:۲۳۶)

(۱۳) ...... اولاد کی پرورش کرنے پر بھی بیوی کا نفقہ بذمہ شوہر (البقرۃ:۲۳۳)

(۱۴) ...... خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک (النساء:۱۹)

(۱۵) ...... نکاح اور طلاق کی صورت میں ایامِ عدت میں سکنیٰ (رہائش) بذریعہ شوہر (الطلاق:۶'۲'۱)

(۱۶) ...... تنازعہ کی صورت میں زوجین کو باہمی صلح (شرعی تقاضوں کے مطابق) سے نہ روکنے کا حکم (البقرۃ:۲۳۲)

(۱۷) ...... بعد از طلاق بھی حسنِ سلوک کی ہدایت (البقرۃ:۲۴۱)

☆ ...... خواتین سے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشادات وغیرہ کا ذخیرہ بھی کافی زیادہ

ہے۔ ذیل میں چند احادیثِ نبویہ ﷺ ہدیۂ قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں:

۱)......صالحہ خاتون: بہترین خدائی تحفہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((اِنَّ الدُّنْیَا کُلَّھَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ)) (سنن النسائی: ۳۷۷/۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دنیا کُل کی کُل مال ومتاع ہے' اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔''

۲)......خواتین سے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ کا پالیسی بیان:

عن عمرو بن الاحوص...... فقال: ((اَلَا وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّمَا ھُنَّ عَوَانٍ عِنْدَکُمْ، لَیْسَ تَمْلِکُوْنَ مِنْھُنَّ شَیْئًا غَیْرَ ذٰلِکَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ، فَاِنْ فَعَلْنَ فَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ، فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا، اَلَا اِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَائِکُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِکُمْ عَلَیْکُمْ حَقًّا، فَاَمَّا حَقُّکُمْ عَلٰی نِسَائِکُمْ فَلَا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ مَنْ تَکْرَھُوْنَ، وَلَا یَاْذَنَّ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لِمَنْ تَکْرَھُوْنَ، اَلَا وَحَقُّھُنَّ عَلَیْکُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَیْھِنَّ فِیْ کِسْوَتِھِنَّ وَطَعَامِھِنَّ)) (سنن الترمذی: ۲۷۳/۵)

حضرت عمرو بن الاحوص ؓ نے حدیث بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! میں تمہیں عورتوں کے حق میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں' اس لیے کہ وہ تمہارے پاس مقید ہیں اور تم اُن پر اس کے علاوہ کوئی اختیار نہیں رکھتے کہ ان سے صحبت کرو۔ البتہ یہ کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کی مرتکب ہوں تو اُنہیں اپنے بستروں سے الگ کر دو اور اُن کی معمولی پٹائی کرو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات ماننے لگیں تو اُنہیں تکلیف پہنچانے کے راستے تلاش نہ کرو۔ جان لو! تمہارا تمہاری بیویوں پر اور اُن کا تم پر حق ہے۔ تمہارا اُن پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر اُن لوگوں کو نہ بٹھائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو' بلکہ ایسے لوگوں کو گھر میں بھی داخل نہ ہونے دیں۔ اور اُن کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اُنہیں بہترین کھانا اور بہترین لباس دو۔''

۳)...... بیویوں کے حقوق کا تعین:

عن حکیم بن معاویۃ القشیری عن ابیہ قال: قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَا حَقُّ زَوْجِ اَحَدِنَا عَلَیْہِ؟ قَالَ: ((تُطْعِمُھَا اِذَا اَکَلْتَ، وَتَکْسُوْھَا اِذَا اکْتَسَیْتَ، وَلَا تَضْرِبِ

الْوَجْہَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَھْجُرْ اِلَّا فِی الْبَیْتِ)) رواہ احمد وابوداوٗد وابن ماجہ (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۴۰/۲)

حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں' انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اُس کے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ جب تم کھاؤ تو اُس کو بھی کھلاؤ' جب تم پہنو تو اُس کو بھی پہناؤ' اور اُس کے چہرے پر مت مارو' نہ اُس کو بُرا کہو اور نہ یہ کہو کہ اللہ تیرا بُرا کرے' اور اس سے صرف گھر کے اندر ہی علیحدگی اختیار کرو۔''

۴)......خواتین کے معاملہ میں چشم پوشی کا حکم:

عن ابی ھریرہ ؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا، فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاہُ، فَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ وَاِنْ تَرَکْتَہٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا)) (صحیح الجامع للالبانی' ح: ۹۶۰)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو' اس لیے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے' جو ٹیڑھی ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس پسلی میں ہے جو اُوپر کی ہے۔ لہٰذا اگر تم اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اُس کو توڑ دو گے' اور اگر پسلی کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی۔ اس لیے عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو۔''

۵)...... بیویوں میں انصاف نہ کرنے کی سزا:

عن ابی ھریرہ ؓ عن النبی ﷺ قال: ((اِذَا کَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَاَتَانِ فَلَمْ یَعْدِلْ بَیْنَھُمَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَشِقُّہٗ سَاقِطٌ)) (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۳۴/۲)

حضرت ابوہریرہ ؓ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے نکاح میں دو بیویاں ہوں اور وہ اُن کے درمیان عدل وبرابری نہ کرتا ہو' تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کا آدھا دھڑ ساقط ہوگا۔''

۶)......خواتین پر تشدد کی ممانعت:

عن عبداللہ بن زمعۃ ؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((لَا یَجْلِدُ اَحَدُکُمُ امْرَاَتَہٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ یُجَامِعُھَا فِیْ آخِرِ الْیَوْمِ)) وفی روایۃ: ((یَعْمِدُ اَحَدُکُمْ فَیَجْلِدُ

امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ وَلَعَلَّهُ اَنْ يُضَاجِعَهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ)) (مشکوٰۃ المصابیح: ۲/۲۳۶)

حضرت عبداللہ بن زمعہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح نہ مارے اور پھر دن کے آخری حصے میں اُس سے صحبت کرے۔'' ایک روایت میں یوں ہے کہ ''تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے' حالانکہ شاید وہ اُسی دن کے آخر حصہ میں اُس سے ہم بستر ہو۔''

۷)......شوہر کی فرماں بردار زوجہ کے لیے بشارتِ جنت:

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ زَوْجَهَا قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ)) (رواہ احمد)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہو' ماہِ رمضان کے روزے رکھتی ہو' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتی ہو اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہو' اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو' جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

۸)......بہترین بیوی کون؟

عن ابی ہریرہ قال قیل لرسول اللہ ﷺ: اَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ: ((الَّتِي تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ، وَتُطِيْعُهُ اِذَا اَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ))

(سنن النسائی: ۶/۳۷۷)

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ بہترین عورت کون سی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ عورت جب اُس کا خاوند اُس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے' اور جب شوہر اُس کو کوئی حکم کرے تو وہ اُس کو بجا لائے' اور اپنی ذات اور اپنے مال میں اُس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو۔''

۹)......آپ ﷺ کی زوجہ محترمہؓ کے ساتھ حسنِ معاشرت:

عن عائشة رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ قَالَتْ: فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلٰى رِجْلَيَّ، فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي، فَقَالَ ﷺ: ((هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ)) (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ ؓ جو ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھیں' فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے پیروں پر دوڑی (یعنی ہم دونوں نے دوڑ میں مقابلہ کیا) اور میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی۔ پھر جب میں فربہ ہو گئی تو پھر ہم دونوں کی دوڑ ہوئی اور اس مرتبہ آنحضرت ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس مرتبہ میرا آگے نکل جانا پہلی مرتبہ تمہارے آگے نکل جانے کے بدلہ میں ہے۔'' (یعنی پہلی مرتبہ تم جیت گئی تھیں' اِس مرتبہ میں جیت گیا' لہٰذا دونوں برابر رہے۔)

۱۰)......شوہر کے حقوق:

عن أبی ہریرة ؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ اِلٰى فِرَاشِهِ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ)) متفق علیہ ۔ وفی روایة لهما قال: ((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوْ امرأته اِلٰى فِرَاشِهِ فَتَاْبٰى عَلَيْهِ اِلَّا كَانَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا)) (مشکوٰۃ المصابیح: ۲/۲۳۷)

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مرد اپنی عورت کو صحبت کے لیے بلائے اور وہ غصے سے انکار کر دے تو ملائکہ اُس پر صبح ہونے تک لعنت کرتے رہتے ہیں'' ۔ (متفق علیہ) بخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے' فرمایا: ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' جو کوئی اپنی بیوی کو صحبت کے لیے بلائے اور وہ انکار کر دے تو آسمانوں میں رہنے والا (اللہ تعالیٰ) اُس سے ناراض رہتا ہے' یہاں تک کہ شوہر اُس سے راضی ہو جائے۔''

مذکورہ بالا سطور سے واضح ہو چکا ہے کہ اسلام خواتین کا محافظ اور حقوق دہندہ ہے۔ دینِ فطرت نے نہ صرف حقوقِ نسواں مرحمت فرمائے بلکہ خواتین کے ساتھ گھر بسانے کے لیے اپنے پیروکاروں کو تقویٰ' خوفِ خدا' روزِ حشر کی مسئولیت کا احساس بھی دلایا۔

ایک عرصہ سے اسلام دشمن قوتیں نہ صرف اسلام کو بدنام کرنے کی سعی مذموم میں مصروف ہیں بلکہ اسلامی اقدار کے استہزاء' اسلامی تہذیب کے خاتمہ اور معاشرہ میں بے راہ روی کے فروغ کے لیے شب و روز ایک کیے ہوئے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ذرائع ابلاغ کو بزورِ زر استعمال کر کے عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ عالمی طاقتوں کے دباؤ پر حکومتوں سے غیر شرعی' غیر اخلاقی' غیر معاشرتی قوانین بھی بنوا رہی ہیں۔

حال ہی میں اس کی ایک مثال سامنے آئی ہے کہ پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب میں تحفظِ خواتین بل ۲۰۱۶ منظور کیا گیا۔ باوجودیکہ صوبائی اسمبلی سے اراکین کی ایک بڑی تعداد غیر حاضر تھی‘ موقع کو غنیمت جان کر یہ غیر شرعی بل پاس کروا کر عجلت میں گورنر کے دستخط سے نافذ کر دیا گیا۔ ہر چند کہ اِس بل کا پسِ منظر وپیشِ منظر خواتین سے انسدادِ تشدد بتایا جا رہا ہے‘ حقیقت میں یہ یورپین ثقافت کا عکاس‘ قانونِ اسلام‘ آئینِ پاکستان اور معاشرتی اقدار کی دھجیاں بکھیرنے والا قانون ہے۔

بل کا جائزہ

تحفظِ خواتین بل کی منظوری کا سبب حکومتی اور حکومتی ہم نوا حلقوں کی جانب سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ قانون خواتین پر تشدد کے انسداد کے لیے منظور کیا گیا۔ چنانچہ ڈائریکٹر محکمہ سماجی بہبود وبیت المال نے کمیٹی کو مسودۂ قانون کے اغراض ومقاصد سے بایں الفاظ آگاہ کیا:

’’عورتوں پر تشدد کے واقعات بڑھنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارا موجودہ قانونی نظام خواتین پر مظالم اور تشدد کی بجا طور پر نشاندہی نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خواتین کو تحفظ اور شیلٹر فراہم کرنے اور تشدد زدہ بشمول گھریلو تشدد کی شکار خواتین کی بحالی کے لیے مؤثر نظامِ تحفظ قائم کیا جائے۔ مسودۂ قانون کا مقصد خواتین پر تشدد کو روکنا اور خواتین کا تحفظ و بحالی کا نظام قائم کرنا ہے۔ مسودۂ قانون خواتین پر ہر قسم کے تشدد کا محاصرہ کرتا ہے بشمول گھریلو تشدد‘ جذباتی‘ نفسیاتی اور بدکلامی‘ معاشی استحصال‘ سٹاکنگ اور سائبر کرائمز۔ مسودۂ قانون یہ تجویز کرتا ہے کہ اگر کسی متاثرہ شخص‘ باعتبار ایجنٹ یا ڈسٹرکٹ ویمن پروٹیکشن آفیسر کی جانب سے شکایت کی جائے اور عدالت اس بات سے مطمئن ہو کہ تشدد ہو چکا ہے یا واقع ہونے کا امکان ہے تو وہ عبوری حکم پروٹیکشن آرڈر‘ ریذیڈینس آرڈر اور مانیٹری آرڈر جاری کر سکتی ہے۔ اِن احکامات کی خلاف ورزی پر جرمانہ اور قید کی سزا مقرر ہے۔

یہ پروٹیکشن سسٹم کا قیام بشمول ویمن پروٹیکشن کمیٹی کی تقرری‘ پروٹیکشن سنٹرز (خواتین مراکز بسلسلہ تحفظ تشدد) اور متاثرہ عورتوں کے تحفظ اور ریلیف فراہم کرنے کے لیے پنجاب بھر میں مرحلہ وار پروگرام کے تحت شیلٹر ہومز کا اہتمام کرنے کی تصریحات بھی واضح کرتا ہے۔ تشدد سے تحفظ‘ خواتین مراکز کے قیام کا مقصد خواتین کی سہولت کے لیے ایک چھت تلے متفرق خدمات فراہم کرنا ہے۔ شیلٹر ہومز کی شق بھی اس لیے وضع کی

گئی ہے کہ تشدد کی شکار خواتین اور اُن کے زیر کفالت بچوں کو بورڈنگ اور لاجنگ کی سہولت فراہم کی جائے۔ اس نے کمیٹی سے گزارش کی کہ مسودہ قانون جیسے اسمبلی میں متعارف کروایا گیا ہے‘ اسمبلی سے منظور کروانے کی سفارش کی جائے۔ کمیٹی نے آراء سننے اور ایڈمنسٹریٹو ڈیپارٹمنٹ نیز محکمہ قانون و پارلیمانی امور کا نکتہ نظر لینے اور مختلف نکات پر بحث کے بعد متفقہ طور پر سفارش کرنے کا فیصلہ کیا کہ مسودۂ قانون درج ذیل ترامیم کے ساتھ اسمبلی سے منظور کیا جائے......‘‘

بل کا خلاصہ یہ ہے کہ خواتین پر تشدد کے انسداد کے لیے حکومت کی جانب سے درج ذیل اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں:

۱)......ایک ٹال فری نمبر مقرر کیا جائے گا۔ اُس نمبر سے کوئی بھی متاثرہ خاتون جسے اپنے اوپر تشدد کا دعویٰ ہے‘ بغیر کسی خرچ کے فون کر سکے گی۔

۲)......ضلعی سطح پر ڈسٹرکٹ ویمن پروٹیکشن کمیٹی قائم کی جائے گی۔ کمیٹی کا سربراہ ہر ضلع کا ڈی۔سی۔او ہوگا اور اُس کے ارکان درج ذیل ہوں گے:

ا)......ایگزیکٹو ڈسٹرکٹ آفیسر (صحت)

ب)......ایگزیکٹو ڈسٹرکٹ آفیسر (کمیونٹی ڈویلپمنٹ)

ج)......نمائندہ ضلعی پولیس آفیسر

د)......ڈسٹرکٹ ویمن پروٹیکشن آفیسر (سیکرٹری)

حکومت ہر ضلع میں سول سوسائٹی اور مخیّر حضرات سے چار غیر سرکاری ممبران نامزد کرے گی۔ یہ کمیٹی ٹال فری نمبر کی بہتری ونگرانی نیز شیلٹر ہوم کے قیام‘ خواتین تنظیموں کے اندراج‘ خواتین کی قانونی مدد وغیرہ کے لیے اقدامات کرے گی۔

۳)......خاتون پر جسمانی تشدد ہو (مار پٹائی) یا نفسیاتی تشدد‘ گھریلو تشدد‘ جذباتی‘ نفسیاتی‘ بدکلامی‘ معاشی استحصال اور سائبر کرائمز کا ارتکاب ہو تو خاتون ٹال فری نمبر سے فون کر کے کمیٹی کو آگاہ کرے گی۔ متاثرہ خاتون خود یا اُس کا وکیل یا ڈسٹرکٹ ویمن پروٹیکشن آفیسر کی جانب سے عدالت کو شکایت کی جائے گی۔

نفسیاتی تشدد سے مراد متاثرہ شخص (خاتون) کی نفسیاتی ابتری جو اُس کی کم اشتہائی‘ خودکشی کی کوشش اور متاثرہ خاتون کی آزادی‘ حرکت محدود کرنے سے ثابت شدہ مریضانہ بے چینی جس کی تصدیق کمیٹی کی جانب سے مقرر کردہ ماہر نفسیات کر دے‘ سب نفسیاتی تشدد میں

شامل ہے۔

۴)...... شکایت کنندہ خاتون پر مذکورہ بالا کسی بھی طرح کے تشدد کے مرتکب شخص کو عدالت پروٹیکشن آرڈر جاری کرے گی‘ جس کے تحت:

☆...... اب یہ شخص خاتون سے کسی قسم کا رابطہ نہیں کر سکے گا۔

☆...... خاتون سے دور رہے گا۔

☆...... خاتون سے اتنے فاصلہ تک دور رہے گا جس کا تعین عدالت کرے گی۔ یعنی اُسے شہر بدر یا ضلع بدر تک بھی کیا جا سکے گا۔

☆...... سنگین تشدد کی صورت میں جس سے خاتون کی زندگی یا شہرت کو خطرہ ہو‘ تو مرد کو کلائی پر جی۔ پی۔ ایس ٹریکر بریسلٹ (نگرانی کا کڑا) پہنایا جائے گا‘ جس سے اُس شخص کی نگرانی کی جائے گی۔

☆...... مدعا علیہ شخص اسلحہ وغیرہ جمع کرادے‘ آئندہ کے لیے اسلحہ کا لائسنس حاصل نہیں کر سکے گا‘ وغیرہ۔

۵)...... عدالت متاثرہ خاتون کے تحفظ کے لیے ریذیڈنس آڈر بھی جاری کرے گی‘ جس کے تحت:

☆...... خاتون گھر سے بے دخل نہ کی جائے گی‘ اسی گھر میں قیام پذیر رہے گی یا شیلٹر ہوم منتقل کی جائے گی۔

☆...... مدعا علیہ متاثرہ خاتون کی جائیداد وغیرہ اُس کے سپرد کرنے کا پابند ہوگا۔

☆...... مدعا علیہ یا اُس کے کسی رشتہ دار کو خاتون کی رہائش اور آنے جانے کی جگہ پر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

۶)...... علاوہ ازیں عدالت اس مقصد کے لیے مالی آرڈر بھی جاری کرے گی جس کے تحت:

☆...... مدعا علیہ متاثرہ خاتون کے نان ونفقہ‘ بچوں کے نان ونفقہ اور متاثرہ خاتون کے طبی‘ کمائی کے نقصان کی تلافی کرنے کا بھی پابند ہوگا۔

۷)...... متاثرہ خواتین کے لیے حکومت مرحلہ وار پروٹیکشن سنٹر اور شیلٹر ہومز تیار کرے گی۔

۸)...... افسر برائے تحفظِ خواتین کا تقرر کیا جائے گا۔

بل کے تفصیلی مطالعہ کے بعد بل کا خلاصہ اور ضروری اجزاء ذکر کیے گئے ہیں۔ قارئین!

مذکورہ بالا بل کے نفاذ کی صورت میں کیا بل کا مقصد پورا ہوگا یا خواتین کے مسائل میں اضافہ ہوگا؟ اِس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ ہمیں مذکورہ بالا مقصد سے کوئی اختلاف نہیں۔ بلاشبہ خواتین سے تشدد کا خاتمہ اور اُن کے ساتھ ناانصافی کا ازالہ ضروری ہے اور اس مقصد کے لیے تعزیراتِ پاکستان پہلے سے موجود ہیں۔ اگر قانون کی حکمرانی اور انصاف کے حصول کو یقینی بنالیا جاتا تو شاید اِس بل کو لانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ تاہم بل میں چند چیزیں ناقابل قبول اور شریعت‘ معاشرت‘ تمدن اور تہذیب سے کسی طرح مطابقت نہیں رکھتیں‘ بلکہ یہ امور فساد‘ خاندانی تنازعات اور خاندانی نظام کی تباہی کا ذریعہ ہیں۔ ذیل میں اُن کی نشاندہی کی جا رہی ہے:

۱)...... تعزیراتِ پاکستان اور شرعی قوانین کی موجودگی میں اراکین اسمبلی کی ایک بڑی تعداد کے موجود نہ ہونے کے باوجود عجلت میں اسے منظور کروالینا باعث تعجب ہے۔ شرعی معاملات میں راہنمائی کے لیے آئینی ادارہ ”اسلامی نظریاتی کونسل“ موجود ہے۔ اس بل کی منظوری سے قبل ضروری تھا کہ اِسے شرعی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل میں بھیج دیا جاتا۔ صوبہ خیبر پختونخواہ کی اسمبلی نے یہی بل مذکورہ ادارہ کو ارسال کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی دباؤ میں یہ بل منظور کر کے شریعت‘ قانون اور تمدن کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

۲)...... خواتین پر تشدد اسلام میں سخت منع ہے‘ ہم تشدد سے ممانعت کی چند نصوص شروع میں ذکر کر چکے ہیں۔ بل میں تشدد کی تعریف اور اس جرم کی سزا دونوں شرعی لحاظ سے ناقابلِ قبول ہیں۔ تشدد کی تعریف میں جذباتی تشدد‘ نفسیاتی تشدد‘ بدکلامی وغیرہ کو شامل کرنا‘ اِسی طرح ایسا عمل جس سے نفسیاتی ابتری جو اُس کی کم اشتہائی‘ خودکشی کی کوشش تک پہنچ جائے‘ محلِ نظر ہے۔

شرعی اور معاشرتی طور پر مرد (باپ‘ بھائی‘ شوہر وغیرہ) کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیٹی/بہن/بیوی کی تربیت کے لیے اُسے ڈانٹ ڈپٹ کرے‘ قابلِ مواخذہ امور پر سرزنش کرے‘ اُسے نامناسب مقامات پر یا بلاوجہ آنے جانے سے منع کرے۔ جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے تو اولاد کو دس برس کی عمر میں نماز کے ترک پر ایک حد تک مارنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

سیدنا معاذ ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اپنے اہل خانہ پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرو‘ اُن سے اپنا عصا بغرضِ اصلاح نہ ہٹاؤ‘ اور اُن کو اللہ سے ڈراتے رہو۔“ (احمد: ۵/۲۳۸ طبرانی)

ظاہر ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ اگر جائز امور کے لیے ہو تو شرعی حکم ہے' لیکن بل میں اِسے تشدد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بیوی شوہر کے حکم کی عدولی کرے اور شوہر کے اظہارِ ناراضگی پر تکرار ہو جائے تو یہ بھی بدکلامی ہوئی' اِسے بھی تشدد کے زمرے میں لایا گیا ہے۔ بیٹی' بہن' بیوی کو نامناسب وقت میں یا نامناسب مقام پر آمد و رفت سے منع کرنا بھی تشدد قرار دیا گیا ہے۔ شوہر' باپ' بھائی وغیرہ اگر اصلاح کی کوشش کریں' اِس پر خاتون ناجائز طور پر خودکشی کی کوشش کرے یا ظاہر کرے تو اِن سب کو تشدد کے زمرے میں لا کر گویا گھروں میں فساد پھیلایا جا رہا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا شقیں خلافِ شریعت ہیں۔

تشدد کی شکایت پر اقدامات ...... قطع نظر اِس کے کہ شریعت یا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں یا نہیں ...... قابلِ غور امر یہ ہے کہ محض شکایت پر سزا اور غیر معاشرتی توہین آمیز سلوک' کیا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ابھی تو خاتون کی طرف سے شکایت ہوئی' نہ تو عدالتی کارروائی ہوئی نہ شہادتیں سامنے آئیں۔ محض شکایت پر ......

☆ ...... مرد کو گھر سے نکال دینا یا شہر بدر کرنا۔

☆ ...... خاتون سے رابطہ منقطع کرانا' خواہ بیٹی' بہن یا بیوی ہی کیوں نہ ہو۔

☆ ...... بریسلٹ پہنا کر اُس کی غیر محسوس انداز میں کڑی نگرانی کرنا حتیٰ کہ قضائے حاجت/ غسل وغیرہ کے وقت بھی اُسے یہ کڑا اُتارنے کی اجازت نہ ہو' کیا انصاف ہے؟

اگر خاتون سے محض بدکلامی ہو یا اُس کی شہرت کو نقصان پہنچے تو تشدد اور قابلِ گرفت ...... اگر خاتون مرد کے خلاف شکایت کرے تو مرد کو اپنے ہی گھر سے نکال دیا جائے اور کڑے پہنا کر اُس کی تذلیل کی جائے' جبکہ کل ثابت ہو کہ شکایت غلط تھی' تو کیا یہ تشدد نہیں؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت مرد کی فطری' شرعی فوقیت کو سلب کر کے اُسے خاتون کا غلام اور ملازم بنانے کی سعی میں مصروف ہے' ورنہ ایسا قانون خلافِ فطرت ہے۔

مذکورہ بالا اقدامات سے کیا خواتین کو حقوق مل جائیں گے ...... یا خواتین سرپرستوں اور خیرخواہوں سے محروم ہو کر تنہائی کی زندگی گزاریں گی؟ کیا مرد ایسے اقدامات پر ایسی تذلیل کا باعث بننے والی خواتین سے کنارہ کش نہیں ہوں گے؟ کیا اِن حالات میں کوئی غیور شخص اسی خاتون کی کفالت کر سکے گا؟ یہ وہ سوالات ہیں' جن پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

۳) ...... ودھین پروٹیکشن کمیٹی میں سول سوسائٹی سے چار افراد لینے کا مطلب یہ ہے کہ این۔ جی۔ اوز کو حکومتی اختیار دے کر غیر ملکی ایجنڈے کی تکمیل کی جا رہی ہے۔ کیا یہ عیاں نہیں ہو چکا کہ یہ طبقہ غیر ملکی فنڈنگ کے سہارے ملک میں عدمِ استحکام' فرقہ واریت' بے راہ روی' اسلام اور ملک دشمن و دیگر ناقابلِ معافی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ اب اِس بل کے ذریعے اس طبقہ کو بااختیار بنا کر غیروں کے ایجنڈے کو پورا کیا جا رہا ہے۔

۴) ...... دارالامان اور شیلٹر ہومز کی تعمیر و آبادی کاری سے کیا خواتین بے گھر' بے سہارا ہو کر بے راہ روی اور کسمپرسی کی زندگی نہیں گزاریں گی؟ یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ قبل ازیں ہر بڑے شہر میں دارالامان موجود ہیں اور وہاں خواتین قیام بھی کرتی ہیں۔ ان اداروں کی کارگردگی نیز خواتین پر اس ماحول کے اثرات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ دارالامان اور شیلٹر ہومز کا قیام بہرحال اچھا اثر نہیں لائے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا بل پاکستانی ثقافت بالخصوص اسلامی تعلیمات سے قطعی مختلف ہے۔ ایسا قانون اُس معاشرہ میں کارگر ہو سکتا ہے' جہاں مرد و زن کا باہمی تعلق رسمی اور معمولی ہو' جہاں میاں بیوی ایک دوسرے سے بیزار' اپنا اپنا روزگار' اپنے اپنے اکاؤنٹ' اپنا اپنا حلقہ نیز احباب اور دوست رکھتے ہوں۔ جہاں بوائے فرینڈز' گرل فرینڈز کو مسلمہ حیثیت حاصل ہو۔ اسلامی تعلیمات اور پاکستانی ثقافت میں باپ بیٹی' بھائی بہن یا میاں بیوی کا آپس میں تعلق غیر معمولی مستحکم' احترام اور محبت کا ہے۔ یہاں اِس بل کی توہین آمیز دفعات معاشرہ میں فساد برپا کر دینے کا سبب ہوں گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ حکومت اِس بل کو اسلامی نظریاتی کونسل کے پلیٹ فارم پر پیش کرے یا جید علماء و مشائخ کی آراء کی روشنی میں شرعی اور معاشرتی تقاضوں میں ڈھالے' تاکہ حقیقی معنوں میں خواتین کو اُن کے حقوق میسر آ سکیں اور بجائے نفع کے اُن کا نقصان نہ ہو۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اسلام میں عورتوں کی وراثت

حکمتیں‘ بنیادیں اور غلط فہمیاں

پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق ☆

ابتدائیہ

آج کے دور میں بسا اوقات اسلام میں عورت کے وراثت میں حصے کو یوں پیش کیا جاتا ہے کہ جیسے عورت کو ایک کم تر مخلوق سمجھ کر اس کے حصے کو آدھا کر دیا گیا ہے۔ پھر اس بات کو بنیاد بنا کر اسلام کو بحیثیت مجموعی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ اعتراض نیا نہیں۔ صدیوں سے نہ صرف غیر مسلم بلکہ مغربی لٹریچر اور افکار سے متاثر مسلمان بھی بوجوہ اس کی تکرار کرتے چلے آئے ہیں۔ درج ذیل سطور میں ہم کوشش کریں گے کہ اسلامی قانون وراثت کے حوالے سے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جائے اور اصل صورت حال کو واضح کی جائے کہ یہ قانون عورت کو کمتر نہیں بلکہ معتبر بناتا ہے۔ اس لیے یہ چند ضروری وضاحتیں پیش خدمت ہیں‘ تاکہ جو لوگ اخلاصِ نیت سے حق بات کے متلاشی ہوں ان پر حق بات واضح ہو جائے۔

غلط فہمی کی بنیادی وجہ

اسلامی قانونِ وراثت میں عورت کے حصے سے متعلق غلطی فہمی کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ قانونِ وراثت کو اسلام کے باقی تمام قوانین اور مرد و زن کے حقوق و فرائض سے الگ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ اس طرح جب اسلام کے پورے نظامِ معاشرت اور بالخصوص خاندان کے ادارے سے متعلق اسلام کے تصور کو ایک طرف رکھ کر صرف قانونِ وراثت میں عورت کے حصے کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر اعتراضات کیے جاتے ہیں اور اسے عورتوں سے ظالمانہ سلوک اور غیر منصفانہ قانون کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ غلط بنیادوں پر استوار تنقید کے اس عمل میں یہ حقیقت نظروں سے بالکل اوجھل ہو جاتی ہے کہ اسلام کے اندر تو تقسیم وراثت دراصل عورت

☆ ڈین پشاور میڈیکل کالج

کے معاشی تحفظ کا ایک زبردست قانون ہے جس میں عورت کے پاس ”محفوظ سرمایہ“ یقینی بنانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ایک ایسا قانون جس میں سرمائے کی کلی ملکیت اور استعمال میں عملاً عورت کو مرد پر فوقیت دی گئی ہے۔

تقسیم جائیداد کے دو بنیادی طریقے

اصولاً کسی بھی مال/جائیداد کی تقسیم دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

☆ جائیداد کو مساوی حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور متعلقہ افراد میں ان کے فرائض اور ذمہ داریوں سے قطع نظر‘ مساوات کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے سب میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے۔

☆ افراد کی ذمہ داریوں کا تعین کیا جائے اور پھر ان میں ایک قاعدہ کے مطابق مال کی تقسیم کر دی جائے۔

اس اصول کی تشریح ایک سادہ مثال سے یوں کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کو سو روپے دو افراد زید اور بکر میں تقسیم کرنے ہوں تو پہلے یہ دیکھ لیں کہ دونوں کو آپ نے کیا ذمہ داریاں اور فرائض دے رکھے ہیں۔ فرض کیجیے زید کے ذمہ یہ ہے کہ وہ بکر کے کھانے پینے‘ رہائش‘ لباس اور دوسری تمام ضروریات کا ذمہ دار ہو اور اس کا ہر لحاظ سے خیال بھی رکھے۔ اس کے علاوہ نہ صرف بکر بلکہ اس کے بچوں اور گھر کے دوسرے افراد کی رہائش اور کفالت بھی زید ہی کے ذمہ ہو۔ اس کے برعکس بکر کے ذمہ آپ نے کوئی معاشی ذمہ داری نہیں لگائی اور اس کے ذمہ زید اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال اور چند دوسری ضروری ذمہ داریاں لگا دی ہیں‘ لیکن ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے بھی مال و اسباب فراہم کرنے کا فریضہ زید ہی کے ذمہ کر دیا ہے۔

اب ان دو افراد میں آپ ان سو روپوں کو کیسے تقسیم کریں گے؟ کیا آپ ”مساوات“ کے اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے دونوں کو پچاس‘ پچاس روپے دیں گے؟ یا عدل و انصاف کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی دوسرا فیصلہ کریں گے؟ ایک معمولی شعور اور عقل رکھنے والا شخص بھی اس بات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس صورت حال میں زید کا حصہ یقیناً زیادہ ہونا چاہیے (بلکہ ساری رقم اُسی کو ملنی چاہیے) کیونکہ بکر کو نہ تو اپنا کوئی مالی بوجھ برداشت کرنا ہے اور نہ اس کے ذمہ بچوں یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کی کوئی معاشی ذمہ داری ہے۔

اب آپ اس مثال کو سامنے رکھ کر ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ عورت اور مرد کے درمیان

وراثت کی تقسیم کیسے ہونی چاہیے؟

ہم اسلام میں وراثت کے مسئلے کو عورت اور مرد کی ذمہ داریوں اور فرائض کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کریں گے‘ جس کا خلاصہ پروفیسرہ عابدہ علی نے اپنی کتاب ’’عورت قرآن وسنت اور تاریخ کے آئینے میں‘‘ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’اللہ نے اپنی حکمت بالغہ سے فرائض کا تعین فرما دیا اور ان کے دائرہ کار مقرر فرما دیے۔ اس سلسلے میں اللہ نے نظام تمدن کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک فرائض منزلی اور دوسرے فرائض تمدنی۔ اوّل الذکر عورت کی ذمہ داری قرار پائے اور دوسرے مرد کی۔ حدیث کے الفاظ میں عورت **ربة العائلة** اور مرد **کفیل الحوائج**۔ یعنی نوعِ انسانی کی حفاظت اور تکثیر عورت کے ذمہ قرار پائی اور انسانی ضروریات کا انتظام مرد کی۔‘‘

ذمہ داریوں کی یہ تقسیم مان لینے کے بعد مسئلے کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

اسلام میں وراثت کی تقسیم کی بنیاد اور حکمت بظاہر تین وجوہات یا اصولوں پر مبنی ہے:

(۱) قرابت اور رشتہ داری

(۲) ضرورت اور ذمہ داری (اسلام کے معاشی اور معاشرتی اقدار کے مقرر کردہ دائرے میں ذمہ داری)

(۳) ارتکازِ دولت کی نفی (تقسیم دولت)

اس وقت چونکہ دوسرا نکتہ ہی ہمارے موضوع سے متعلق ہے اس لیے ہم صرف اسی کی بنیاد (حکمت) کا ذکر کریں گے اور چند مثالیں بھی پیش کریں گے تاکہ اس بات کی کچھ وضاحت ہو جائے کہ اسلام میں وراثت کی تقسیم کس بنیاد پر ہے۔

(۱) صاحب اولاد بیٹے کی وفات کی صورت میں ماں (عورت) اور باپ (مرد) کو برابر برابر حصہ (یعنی چھٹا حصہ) ملتا ہے اور ماں کو عورت ہونے کی وجہ سے آدھا یا باپ کو مرد ہونے کے ناطے دوگنا حصہ نہیں ملتا۔ سورہ النساء میں ارشاد ہے:

﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً
فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ ؕ
وَ لِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ
یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ ۚ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّہُمۡ
اَقۡرَبُ لَکُمۡ نَفۡعًا ؕ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۱﴾

’’تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ پھر اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحبِ اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔ اور اگر وہ صاحبِ اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی۔ (یہ سب حصے اُس وقت نکالے جائیں گے) جب کہ وصیت‘ جو میت نے کی ہو‘ پوری کر دی جائے اور قرض جو اُس پر ہو ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظِ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں‘ اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔‘‘

اس آیت میں ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے۔ یہاں بنیادی اکائی (Basic Unit) عورت کا حصہ بنایا گیا ہے اور مرد کو اس کا دوگنا دیا گیا ہے۔ یعنی اہمیت اور زور عورت کے حصے پر ہے جس کو بنیاد بنا کر باقی لوگوں کے حصوں کا حساب کیا جائے گا۔ یہ بات بذاتِ خود عورت کی حیثیت کو بلند کرنے پر دلالت کرتی ہے‘ اور اُس معاشرے کے اندر جس میں عورت کی حیثیت بہت ہی کمتر تھی اور جائیداد میں حصہ تو دور کی بات اسے تو صرف مرد کے تصرف کا ایک کھلونا تصور کیا جاتا تھا اور وراثت میں حصہ صرف ان مَردوں کو ملتا تھا جو صحت مند اور جنگ میں حصہ لینے کے قابل سمجھے جاتے تھے۔

(۲) صاحبِ اولاد مرد کی وفات کی صورت میں بیوی (عورت) کو آٹھواں حصہ ملتا ہے چاہے اس کی جتنی بھی اولاد ہو۔ مثلاً اگر دس بیٹے بھی ہوں تب بھی بیوی کو شوہر کے ترکے میں سے آٹھویں حصے کی ادائیگی کے بعد باقی ورثہ اس کے بیٹوں (مَردوں) میں برابر تقسیم ہوگا۔ یعنی بیوی کا حصہ پہلے سے متعین ہے اور باقی جائیداد بیٹوں میں برابر تقسیم ہوگی۔ اس کی بنیاد یہ نہیں رکھی گئی کہ چونکہ وہ عورت ہے اس لیے اس کا حصہ بیٹوں کے مقابلے میں آدھا ہوگا‘ بلکہ تمام دوسرے ورثاء سے صرفِ نظر کر کے اس کا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

(۳) اگر میت کی ایک ہی بیٹی ہے‘ باقی اولاد نہیں‘ تو اس کو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا‘ باقی میت

کے بھائیوں‘ بہنوں اور دوسرے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ نزدیک ترین مرد ورثاء (اس صورت میں بھائی) کو بھی میت کی بیٹی کے مقابلے میں زیادہ حصہ نہیں ملتا۔

(۴) ایسی صورت بھی ہوسکتی ہے جب عورت کو حصہ ملتا ہے مگر مرد کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ مثلاً جب وارث دو بیٹے‘ ایک بیٹی‘ نانا اور نانی ہوں تو نانی (عورت) کو چھٹا حصہ ملتا ہے جب کہ نانا (مرد) کو کچھ نہیں ملتا۔

(۵) اگر والدین اپنی زندگی میں جائیداد کی تقسیم کرنا چاہیں تو (برخلاف وراثت کے اصول کے جو کہ مرنے کے بعد لاگو ہوتا ہے) وہ جائیداد بیٹوں اور بیٹیوں میں برابر برابر تقسیم کریں گے‘ البتہ کسی بھی بیٹے یا بیٹی کو اپنی صوابدید کے مطابق خدمت کے صلے میں یا کسی اور جائز وجہ سے کم یا زیادہ حصہ دے سکتے ہیں۔ وراثت کی تقسیم اُس وقت ہوتی ہے جب کفن دفن‘ زکوٰۃ‘ قضا روزوں کا کفارہ‘ قرض کی ادائیگی اور مہر کی ادائیگی وغیرہ سب مکمل طور پر ادا ہو جائیں۔ وراثت میں وہ چیز شامل نہ ہوگی جو میت نے کسی کو زندگی ہی میں ہبہ (تحفہ) کی ہو اور وہ اس کی ملکیت میں جا چکی ہو۔

ان مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کا وراثت میں حصہ اس کے ’’جنس‘‘ کو کمتر سمجھ کر مقرر نہیں کیا گیا‘ بلکہ اس کی حکمتیں اور ہیں‘ جن میں ایک اہم حکمت عورت اور مرد میں فرائض اور ذمہ داریوں کی تقسیم ہے۔

ایک اور بات بھی ذہن میں رہے کہ مرد کو صرف وراثت میں حصہ ملتا ہے اور عورت کو نہ صرف وراثت میں حصہ بلکہ حق مہر بھی ملتا ہے اور شوہر کی جائیداد اور مال و متاع میں بھی عورت کا حق ہوتا ہے۔ اگر وہ کما رہا ہے تو اس میں بھی عورت کا حق ہے اور اگر مرد ضروریات پوری کرنے کے لیے مطلوبہ رقم نہ دے رہا ہو تو عورت اس کے مال میں سے حسبِ ضرورت رقم بغیر اجازت کے بھی لے سکتی ہے۔ عورت کما رہی ہے تو وہ اگر اپنی مرضی سے شوہر کو اپنی کمائی میں سے کچھ دینا چاہے‘ اپنے بچوں پر کچھ خرچ کرنا چاہے یا گھر میں استعمال کرنا چاہے تو یہ اس کی اپنی صوابدید ہے‘ مگر اسلام میں یہ اس کی قانونی ذمہ داری نہیں ہے۔

عورت اپنے ذریعہ معاش کی آمدنی کی خود ہی کلیتاً مالک ہوتی ہے۔ وہ اگر اپنے سرمایہ کو کاروبار میں لگائے تو اس کے نفع کی بھی وہی مستحق اور مالک ہوتی ہے۔ اس کی اس ذاتی دولت میں سے شوہر تک کو تصرف کا کوئی قانونی حق حاصل نہیں ہے۔ عورت اپنی کمائی کی مختارِ کل ہے

اور اس پر شوہر‘ بچوں یا خاندان کے دوسرے افراد کی دیکھ بھال کی کوئی معاشی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری شوہر کے ذمے ہے۔

اسلام عورت کو مختلف حیثیتوں سے وراثت میں حصہ دیتا ہے۔ اسلام کے قانونِ وراثت میں عورت بیوی‘ ماں‘ بیٹی اور کئی دوسری حیثیتوں سے وراثت میں حصہ پاتی ہے۔

لیکن دوسری صورت دیکھیے کہ نہ صرف یہ کہ عورت (بیوی) کی کمائی میں مرد (شوہر) کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مکان خریدنے‘ گھر کا تمام خرچ ادا کرنے‘ بیوی اور بچوں کا نان نفقہ‘ بیوی اور بچوں کے کپڑوں‘ ان کی تعلیم‘ نوکروں کی تنخواہوں اور گھر کے دوسرے تمام اخراجات کا ذمہ دار بھی صرف مرد ہی ہے اور عورت پر ان میں کوئی بھی ذمہ داری عائد نہیں ہے‘ حتیٰ کہ اگر وہ مطالبہ کرے تو گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے لیے شوہر کو نوکر بھی رکھنا پڑے گا (بشرطیکہ وہ afford کر سکتا ہو)۔ اور یہاں تک کہ اگر عورت کسی وجہ سے اپنے میکے چلی جائے اور شوہر لینے نہ جائے تو وہاں بھی رہنے اور نان نفقہ کے اخراجات شوہر کو ہی ادا کرنا پڑتے ہیں۔ طلاق کی صورت میں بھی عدت کے ایام میں عورت کے اخراجات کی ذمہ داری اسلام شوہر پر ڈالتا ہے اور عدت ختم ہوتے ہی عورت کو دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے۔ بیوی کو باپ کے گھر لے جانا اور اس کے اخراجات ادا کرنا بھی شوہر کے ذمے ہے۔

ان اخراجات کے علاوہ مختلف قسم کے معاشی اور معاشرتی مصائب کا سامنا کرنا‘ تقریبات‘ جنازے‘ شادیاں‘ صلح وغیرہ اور بے شمار دیگر امور سرانجام دینا بھی مرد کی ذمہ داری ہے اور ان سے متعلق تمام اخراجات بھی اسی کے ذمے ہیں۔

شادی سے پہلے یا بعد میں عورت کے مال اور کمائی پر قانونی حق صرف اُسی کا ہے‘ جبکہ مرد کے مال اور کمائی میں گھر کے کئی افراد کا نہ صرف حق ہے بلکہ مرد پر اس کی ادائیگی فرض ہے۔

عورت اگر بیٹی ہے تو معاشی ذمہ داری باپ کی‘ بہن ہے تو بھائی کی‘ دونوں میں سے کوئی نہیں تو قریب ترین مردوں (مثلاً چچا وغیرہ) کی‘ ماں ہے تو بیٹوں کی اور بیوی ہے تو شوہر کی۔ ذمہ داریوں کی اس تقسیم کو جاننے کے بعد ایک معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ وراثت میں عورت کے مقابلے میں مرد کا حصّہ کیوں زیادہ رکھا گیا ہے۔

کیا دنیا کے کسی بھی نظام میں ایسی کوئی مثال ہے جس طرح اسلام عورت پر مالی ذمہ داریاں ڈالے بغیر اس کے لیے آمدنی کے اتنے راستے کھولتا ہے اور اس کے سرمائے کے

تحفظ کے لیے اتنے اقدامات تجویز کرتا ہے؟ اگر کوئی فرد بغیر کسی تعصب کے' دل کی نگاہ سے اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرے تو وہ بلا تردّد اس بات کو مان لے گا کہ اسلام کے اس قانون پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر وہ مردوں اور عورتوں کی معاشی' معاشرتی اور دوسری ذمہ داریوں اور پوری صورتحال کو سامنے رکھے تو اسے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ آ جائے گی کہ اسلام میں وراثت کی تقسیم جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ مخصوص ذمہ داریوں کی تقسیم کی وجہ سے انتظامی بنیاد پر ہے۔ وراثت کی یہ تقسیم عین عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے عورت پر کتنا احسان کیا ہے اور اس کو کتنی اہمیت دی ہے کہ اس پر کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی مگر پھر بھی اس کے لیے نہ صرف وراثت میں حصہ مقرر کیا بلکہ اس کے لیے سرمایہ کے حصول اور اس کے تحفظ کے کئی ذرائع متعین کیے اور اسے اپنے اس محفوظ سرمائے کے استعمال میں کُلّی طور پر خود مختار مالک بھی بنا دیا' حتیٰ کہ اس کے شوہر پر بھی یہ پابندی لگا دی کہ بیوی کی اجازت کے بغیر اس کا سرمایہ استعمال نہیں کر سکتا' جبکہ بیوی ضرورت کے مطابق شوہر کے مال سے خرچ کرنے کی مجاز ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی بیجا نہ ہو گی کہ اسلام میں فضیلت کی بنیاد جنس' نسل یا رنگ وغیرہ نہیں ہے' بلکہ اللہ کے ہاں انسانوں کی ایک دوسرے پر فضیلت کی بنیاد صرف ایمان اور تقویٰ ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳﴾

''لوگو' ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے''۔

سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ میں تو مَردوں اور عورتوں کی جنس کو علیحدہ علیحدہ بیان کر کے اس بات کی صراحتاً وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ کے ہاں عورت اور مرد میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی اور اجر و انجام کی اصل بنیاد انسان کا اپنا عمل اور اللہ کے احکام کی تابعداری ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''یقیناً! مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں' مطیع فرمان مرد اور مطیع فرمان عورتیں' راست باز مرد اور راست باز عورتیں' صابر مرد اور صابر عورتیں' اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور اللہ کے آگے جھکنے والی عورتیں' صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں' روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں' اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں' اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں' اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

حاصل کلام

غیر جانبداری سے اسلامی قانونِ وراثت پر مرد وزن کے مابین اسلامی تقسیم کار کی روشنی میں غور کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں وراثت کی تقسیم نفس جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ ذمہ داریوں کی تقسیم کی علت پر مبنی ہے۔ یہ تقسیم نہ صرف مرد وزن کے مابین تقسیم وراثت کے حوالے سے عدل و انصاف کا بہترین نمونہ ہے بلکہ دنیا کا کوئی بھی نظام عورت کے ساتھ اس سے بہتر عادلانہ سلوک کی نظیر پیش کر ہی نہیں سکتا۔ اسلام نے عورت پر بیٹی' ماں' بہن' بیوی الغرض کسی بھی حیثیت میں کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی بلکہ اس کی تمام معاشی ضروریات کے لیے مرد کو مکلف ٹھہرایا ہے۔ مزید برآں نہ صرف وراثت میں حصہ مقرر کیا بلکہ عورت کے لیے جائز ذرائع سے سرمایہ کے حصول' اس کے تحفظ اور اس میں بلاشرکت غیرے مکمل تصرف اور خود مختاری کا حق تسلیم کیا' یہاں تک کہ شوہر کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ بغیر اجازت بیوی کے مال میں کسی قسم کا تصرف کرے' جبکہ بیوی ضرورت کے مطابق شوہر کے مال سے خرچ کرنے کی پوری طرح مجاز ہے۔ اسلامی قانون وراثت کے معترضین کا یہ دعویٰ قطعی طور پر بے بنیاد اور غیر منطقی ہے کہ اسلام تقسیم میراث میں عورت کے ساتھ جنس کے سبب امتیازی سلوک روا رکھتا ہے۔ عورت کے حق میں اس سے بہتر نظام بھلا کیا ہو گا کہ جس میں اس پر کوئی معاشی ذمہ داری بھی نہیں' مگر پھر بھی اس کے لیے کئی اطراف سے جائیداد میں وراثت اور اس کے ذاتی سرمائے کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا ہے اور اس پر اس کے کلی اختیار کو بھی تسلیم کیا گیا ہے!

قرآن وسنت کے مطابق

فحاشی کی تعریف‘ شرعی حکم اور نتائج

ڈاکٹر محمد امین (جنرل سیکرٹری ملی مجلس شرعی)

نظرِثانی: اٹامک سائنٹسٹ انجینئر سلطان بشیر محمود (چیئر مین تحریک الحیاء پاکستان)

سپریم کورٹ آف پاکستان میں اس وقت ایک کیس الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں فحاشی ختم کرنے کے حوالے سے زیر بحث ہے اور قانونی نقطہ یہ پیش نظر ہے کہ دستور پاکستان کی دفعہ ۳۷(G) میں اس حوالے سے Obscene (فحش) کا جولفظ استعمال ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس کا اطلاق کن کن امور پر ہوسکتا ہے☆۔ ملی مجلس شرعی نے‘ جو تمام دینی مکاتب فکر کا ایک مشترکہ علمی پلیٹ فارم ہے‘ یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ سپریم کورٹ کے لیے میڈیا میں فحاشی سے متعلق ایک متفقہ رپورٹ تیار کرے۔ چنانچہ یہ رپورٹ تیار کی گئی ہے جو تین حصوں میں منقسم ہے:

حصہ اوّل : فحاشی کی تعریف‘ اس کے مختلف مظاہر اور ان کے بارے میں حکم شرعی

حصہ دوم : مغرب میں میڈیا کے برے اثرات

حصہ سوم : فحاشی کے خاتمے کے لیے مجلس کی سفارشات

☆ پوری بات یوں ہے کہ دستور کی دفعہ ۳۷ میں ریاست کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے:

"The promotion of social justice and eradication of social evils."

یعنی ”عدل اجتماعی کو پروان چڑھانا اور سماجی برائیوں کا خاتمہ کرنا“ اور اس کی تفصیل کے لیے ذیلی دفعہ ۳۷(G) میں کہا گیا ہے:

"The state shall: Prevent prostitution, gambling and taking of injurious drugs, printing, pbublication, circulation and display of obscence literature and advertisements".

یعنی ”ریاست ختم کرے گی: قحبہ گری کو‘ جوئے بازی کو‘ استعمال منشیات کو اور فحاشی کو طباعت‘ اشاعت‘ سرکولیشن‘ ڈسپلے اور تحریر و اشتہارات میں سے۔“

حصہ اوّل: فحاشی کی تعریف‘ مظاہر اور حکم شرعی

پیشتر اس کے کہ ہم فحاشی کی تعریف کریں اور یہ بتائیں کہ اس سے کیا مراد ہے اور اس کے بارے میں اللہ و رسول نے کیا حکم دیا ہے‘ ہم دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم مسلمان ہیں اور پاکستان ایک مسلم معاشرہ ہے[۱]۔ مسلم عربی زبان میں وہ شخص ہے جو اسلام قبول کرے اور اس کے احکام پر عمل کرے اور اسلام لغت میں غیر مشروط اطاعت (unconditional submission) کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد ہے وہ شخص جو اللہ (اور اس کے رسول ﷺ) کی[۲] غیر مشروط اطاعت اپنی مرضی اور خوشدلی[۳] سے کرتا ہے۔ چونکہ انسان کی حیثیت اللہ کے مقابلے میں عبد[۴] کی ہے لہٰذا اسے یہی سزاوار ہے کہ وہ اپنے اللہ (جو اس کا خالق و مالک‘ رازق و ہادی‘ اسے نفع ونقصان پہنچانے والا‘ اسے زندگی اور موت دینے والا اور ایسی ہی دوسری صفاتِ کثیرہ کا مالک ہے) کی خوش دلی سے غیر مشروط عبادت و اطاعت کرے تاکہ وہ اس سے راضی ہو جائے اور اللہ کی رضا طلبی ہی ایک مسلمان کی آخری غایت ہوتی ہے[۵]۔ خلاصہ یہ کہ ہر مسلمان (خواہ وہ عام آدمی ہو‘ حکمران ہو‘ جج ہو‘ ٹی وی مالک یا اینکر پرسن ہو‘ اخبار کا مالک یا صحافی ہو) اللہ اور رسول ﷺ کے احکام ماننے کا مکلّف اور پابند ہے اور آخرت میں ان کے لیے جوابدہ ہوگا‘ خواہ انسانوں کے بنائے ہوئے کسی دستور میں ان کا ذکر ہو یا نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ مملکت پاکستان کے مسلم نمائندوں نے اپنی ریاست چلانے کے لیے جو آئین بنایا ہے‘ اس میں اگرچہ انہوں نے کافی کوشش کی ہے کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق ہو۔ [مثلاً مملکت کا نام ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ رکھا گیا (دفعہ ۱)۔ یہ کہا گیا کہ اس کا مذہب اسلام ہوگا (دفعہ ۲)۔ یہ تسلیم کیا گیا کہ ”حاکمیت اعلیٰ“ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ریاست و حکمران اس کے احکام کی اطاعت کریں گے۔ اور جمہوریت‘ آزادی وغیرہ کے تصورات پر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل ہوگا اور آزادئ اظہارِ رائے قانون اور اخلاق عامہ کے ماتحت ہوگی (دفعہ A۲) اور یہ بھی کہا گیا کہ یہاں کوئی قانون اسلام کے خلاف نہیں بن سکتا اور جو بنے ہوئے ہیں ان کو بھی اسلام کے مطابق تبدیل کیا جائے گا (دفعہ ۲۲۷)۔ یہ بھی کہا گیا کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے جو پاکستان کے مسلمانوں کو اسلام کے

مطابق زندگی گزارنے میں مدد دیں (دفعہ ۳۱(1)۔ اس کے لیے قرآن حکیم اور اسلامیات کی لازمی تعلیم اور عربی زبان کے فروغ کا حکم دیا گیا (دفعہ ۳۱(a)۔ اسلامی اخلاقیات کی پابندی کا کہا گیا (۳۱(b) اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے زکوٰۃ‘ عشر‘ اوقاف اور مساجد کی تنظیم کا کہا گیا (۳۱(c)۔ اسی غرض سے اسلامی نظریاتی کونسل (دفعہ ۲۲۸-۲۳۹) اور وفاقی شرعی عدالت (دفعہ ۲۰۳(A) تا ۲۰۳(J)) قائم کی گئی۔] مطلب یہ کہ پوری کوشش کی گئی کہ دستور اسلامی ہو‘ اس کا مزاج اسلامی ہو اور وہ اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے والا ہو‘ لہٰذا ججوں کی ذمہ داری ہے کہ ہر معاملے میں قرآن وسنت کے مطابق حکم دیں‘ حکمرانوں کا کام ہے کہ اسے نافذ کریں اور عوام کو چاہیے کہ اس پر عمل کریں۔

یہ وضاحت ہم نے اس لیے ضروری سمجھی کہ ہمارا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا جو فحاشی و عریانی پھیلا رہا ہے اس کو غیر اسلامی اور غیر قانونی قرار دینے کے لیے ہمارا انحصار صرف دستور کی دفعہ ۳۷ (G) میں Obscene کے لفظ پر نہیں ہے جو آئین میں مِن جملہ دوسری معاشرتی برائیوں کے خاتمے کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ اگر یہ لفظ نہ بھی استعمال ہوتا تو پھر بھی عدالت کو چاہیے تھا کہ وہ فحاشی کو قرآن وسنت کے خلاف ہونے کی بنا پر خلافِ دستور قرار دے اور اس کے خاتمے کا حکم دے اور متعلقہ فریقوں پر فرض ہے کہ وہ اسے قرآن وسنت کا فیصلہ سمجھ کر اس پر عمل کریں۔

اس ضروری وضاحت کے بعد آیئے اب فحاشی اور اس کے شرعی حکم کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں: اسلام جو معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے جو معاشرتی احکام اس نے دیے ہیں‘ وہ اوامر ونواہی پر مشتمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ کاموں کے کرنے سے روکا ہے۔ وہ جن اصول واقدار کو پروان چڑھانا چاہتا ہے‘ وہ یہ ہیں: خاندان کا ادارہ‘ نکاح کا حکم اور اسے آسان بنانا‘ حیاء‘ عفت‘ پاکیزگی‘ نسل کی حفاظت‘ عورتوں کو پردہ کا حکم وغیرہ۔ اور کچھ باتوں سے وہ روکتا ہے‘ جیسے فحاشی‘ عریانی‘ گانا بجانا‘ ناچنا‘ شرعی حدود وقیود کے بغیر اختلاطِ مَرد و زن‘ عورتوں کی بے پردگی‘ نظر بازی (یعنی غیر محرم عورتوں مَردوں کا بلاضرورت ایک دوسرے کو دیکھنا‘ گھورنا) زنا اور مقدماتِ زنا‘ شراب پینا اور غل غپاڑہ کرنا‘ عورتوں کا غیر ضروری فیشن اور اسے غیر مَردوں پر نمایاں کرنا...... وغیرہ۔

ان میں سے بعض تصورات و اصطلاحات بہت جامع ہیں اور اپنے گروپ کی اکثر چیزوں کا احاطہ کرتے ہیں‘ جیسے حیاء وعفت میں اکثر اوامر آ جائیں گے اور فحاشی ومقدماتِ زنا میں اکثر نواہی آ جائیں گے۔ یہاں ہم اسلام کے فحاشی کے تصور اور اطلاقات پر روشنی ڈالیں گے —— آیئے! پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ عربی‘ انگریزی اور اردو ڈکشنریوں میں اس لفظ کے کیا معنی دیے گئے ہیں:

فحاشی

عربی میں اس لفظ کا مادہ ف ح ش ہے‘ اہل لغت نے اس کے لفظی ولغوی معنی یہ کیسے ہیں: **الفحش: القبیح من القول والفعل...... وھو کل مایشتد قبحہ من الذنوب والمعاصی ...... وکل شیء جاوز قدرہ وحدّہ فھو فاحش** [6] یعنی فحش سے مراد ہیں برے اقوال وافعال...... معاصی اور گناہوں میں سے بدترین...... فاحش ہر وہ امر ہے جس میں اس کی حد سے تجاوز ہو۔

جرمن مستشرق ھینز وھر نے اپنی عربی انگریزی ڈکشنری میں فحش اور فحاش کے معانی مندرجہ ذیل کیے ہیں [7]:

فحش: *fahusha u (fuhsh)* to be monstrous; to be excessive, exorbitant; to be detestable, abominable, atrocious, obscene, indecent, foul, shameless, impudent IV to use obscene language; to commit atrocities VI=I and IV.

فحاش: *fahhash* obscene, lewd, shamelees in speech or action
تالیف فحاش porngraphy.

معروف انگریزی ڈکشنری آکسفورڈ نے Obscene کے مندرجہ ذیل معانی بیان کیے ہیں [8]

Obscene:

1- highly offensive, morally repugnant, arch. repulsive, foul, loathsome.
2- Offensively or grossly indecent, lewd; Law (of a publication) tending to deprove and corrupt those who are likely to read, see, or hear the contents.
3- ill-omened, inauspicious.

مقتدرہ قومی زبان کی قومی انگریزی اردو لغت میں Obscene کے اردو میں مندرجہ ذیل مترادفات دیے گئے ہیں: [9]

شائستگی یا اخلاق کے مقررہ معیار کے خلاف‘ ناشائستہ‘ عریاں تصویروں والا‘ گفتگو یا عمل میں ناگواری‘ بدچلنی پر اکسانے اور نفسانی خواہش جگانے پر مائل‘ شہوت انگیز۔

Obscenity گندا پن‘ فحش‘ فحش کیفیت یا خصوصیت‘ ناشائستگی وغیرہ

فحش کیا ہے؟

جیسا کہ ہم نے عربی لغت میں دیکھا کہ لفظ فحش میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں: ایک اپنی حد سے آگے بڑھ جانا اور دوسرے قبح یعنی اس کا برا ہونا‘ کیونکہ جس چیز کی جو حد خالقِ فطرت نے مقرر کر دی ہے اس سے آگے بڑھنا برائی ہے۔ اگرچہ قرآن حکیم نے رذائل اخلاق کے لیے عدوان (زیادتی) سوء و سیئۃ (برائی) منکر (ناشناس)‘ خطا (غیرصحیح) اثم (گناہ) جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں لیکن قوتِ شہوانیہ یا جنسی جبلت کی تسکین سے متعلق جو حدیں مقرر فرمائی ہیں‘ ان کو توڑنے اور ان سے آگے بڑھنے کی بری حرکت کو بالعموم فحش (فحشاء و فاحشۃ) قرار دیا ہے اور اسے شیطانی انگیخت کا نتیجہ قرار دیا ہے‘ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (النور:۲۴)

”اے ایمان والو! شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو‘ اور جو شیطان کے نقشِ قدم پر چلتا ہے تو وہ اسے ہمیشہ فحاشی اور بُرائی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔“

جنسی جبلت کے غلط اور برے استعمال کا واضح اور بڑا قرینہ زنا (یعنی غیرقانونی جنسی تعلق) ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے فَاحِشَۃ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۲) یعنی فحاشی اور فَاحِشَۃ مُّبَیِّنَۃ (الطلاق ۶۵:۱) یعنی واضح اور بڑی فحاشی قرار دیا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت جس میں زنا کو فحاشی قرار دیا گیا ہے‘ وہاں یہ نہیں کہا گیا کہ زنا نہ کرو‘ بلکہ کہا گیا ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی﴾ یعنی زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ اس کی تشریح نبی کریم ﷺ کی ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ زنا صرف حرام جنسی فعل کا نام نہیں بلکہ یہ تو تکمیلی مرحلہ ہے اور ابتدائی مراحل میں جسم کے جو اعضاء بھی اس فحش کام میں معاونت کرتے ہیں‘ وہ بھی گویا زنا کے کارِ بد میں حصہ لیتے ہیں[10] گویا یہ سارے کام بھی فحش ہیں۔

دماغ سے فحش باتیں سوچنا اور فحش کاموں کی منصوبہ بندی کرنا‘ زبان سے فحش باتیں کرنا‘

آنکھوں سے فحش مناظر دیکھنا‘ کانوں سے فحش باتیں سننا‘ ہاتھوں اور پاؤں کو فحش کاموں کی خاطر حرکت دینا اور استعمال کرنا وغیرہ۔ ان سب کو رسول اللہ ﷺ نے کانوں کا زنا‘ آنکھوں کا زنا‘ ہاتھوں کا زنا قرار دیا ہے اور زنا کو قرآن حکیم نے فحش قرار دیا ہے لہٰذا وہ بھی فحش ہیں۔

چنانچہ سارے جسمانی اعضاء کے خلافِ شرعی استعمال کی جو حدیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر کی ہیں‘ انہیں توڑنے یا اس کے لیے جو ہدایات انہوں نے دی ہیں‘ ان کی خلاف ورزی کرنے والے سارے کاموں پر فحش کا اطلاق ہوگا اور انہیں فحاشی میں شمار کیا جائے گا۔

ان فحش کاموں کی ناشائستہ اور اخلاق سے گری ہوئی باتوں سے لے کر زنا تک ایک طویل فہرست بنائی جا سکتی ہے‘ لیکن ہم یہاں یہ ترتیب اختیار کریں گے کہ چونکہ قرآن نے زنا کا نام لے کر اسے فحش ترین حرکت قرار دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے زنا تک لے جانے والی بے حیائی کی ساری باتوں اور کاموں کو متعلقہ اعضائے جسمانی کا زنا قرار دے کر انہیں فحش قرار دیا ہے لہٰذا ہم نے فحش کی تفصیلات کے لیے جسمانی اعضاء کے غلط استعمال کو بنیاد بنایا ہے تاکہ ہم جو کہیں وہ قرآن و سنت کی رو سے فحش ہو‘ نہ کہ ہماری یا کسی اور انسان کی رائے میں فحش ہو۔

غضِ بصر کی مخالفت

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مسلمان مَردوں اور عورتوں کو غضِ بصر یعنی نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے (النور ۲۴:۳۰‘۳۱) اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ غیرمحرم کو (شہوت کی نظر سے) دیکھنا آنکھ کا زنا ہے؟[11] اور یہ بھی فرمایا ہے کہ صرف پہلی نظر جو بلاارادہ کسی غیرمحرم پر پڑ جائے‘ وہ جائز ہے۔ اس کے بعد عمداً کسی غیرمحرم (عورت یا مرد) کو دیکھنا اور گھورنا جائز نہیں[12]۔ (خود نبی کریم ﷺ نے اس میں مخطوبہ کو دیکھنے اور فقہاء نے اس میں ”ضرورت“ کا استثناء کیا ہے‘ جیسے ڈاکٹر کا مریضہ کو دیکھنا‘ خصوصاً جب لیڈی ڈاکٹر موجود نہ ہو اور مرض کے بڑھ جانے اور ہلاکت کا اندیشہ ہو)۔ لہٰذا غیرمحرم مرد و عورت کا ایک دوسرے کو بلاضرورت پسندیدگی اور شہوت سے دیکھنا اور دکھانا دونوں کا شمار فحش میں ہوگا اور ڈیجیٹل تصویر (ٹی وی‘ انٹرنیٹ وغیرہ) کا حکم بھی قیاساً یہی ہوگا۔

عریانی و برہنگی

اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے لیے ستر مقرر کیا ہے۔ مرد و عورت دونوں کے لیے پورا جسم ڈھانپنا ضروری ہے‘ تاہم مرد بوقت ضرورت گھٹنوں سے ناف تک کے علاوہ باقی جسم

کھلا رکھ سکتا ہے۔ (مثلاً ایک دفعہ نبی کریم ﷺ گھر میں شدید گرمی میں قمیص اتار کر سو رہے تھے تو حضرت عمرؓ آئے اور دیکھا کہ آپ ﷺ کے جسم پر کھردرے بستر کے نشان پڑ گئے ہیں(۱۳)۔ آپ ﷺ غسل کے وقت بھی ہمیشہ پردے کا اہتمام فرماتے تھے۔ عورت کے لیے سارا جسم ستر ہے‘ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنھا :ان اسماء بنت ابی بکرؓ دخلت علی رسول اللّٰہ ﷺ وعلیھا ثیاب رقاق، فاعرض عنھا رسول اللّٰہ ﷺ وقال:((یَا اَسْمَاءُ! اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَمْ تَصْلُحْ اَنْ یُرٰی مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا))، وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفَّیْهِ(۱۴)

’’حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میری بہن اسماءؓ ہمارے گھر آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور فرمایا: ’’اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ اس کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا اس کا جسم نظر آئے۔‘‘

سوائے ہاتھ‘ پاؤں اور چہرے کے عورت کا سارا جسم ستر شمار ہوگا (بعض فقہاء چہرے کو بھی ستر میں شامل کرتے ہیں لیکن بعض اسے ستر میں شمار نہیں کرتے بلکہ دفع فتنہ و مضرت کے لیے اسے چھپانا مستحب سمجھتے ہیں)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان عورت کا بازو یا ٹانگیں یا سر ننگا رکھنا یا گریبان کھلا اور گہرا رکھنا اور ایسی حالت میں اسے دیکھنا یا اس کی تصویر کھینچنا اور اسے ٹی وی‘ انٹرنیٹ وغیرہ پر دکھانا اور دیکھنا سب کا شمار فحاشی میں ہوگا۔

رقص

نبی کریم ﷺ نے ایسے تنگ یا باریک کپڑے پہننے سے جن سے جسم نظر آئے یا جسم کے خدوخال نمایاں ہوں منع فرمایا ہے(۱۵) اور فرمایا کہ جو عورت اس طرح برہنگی کا اظہار کرتی ہے وہ قیامت کے دن برہنہ اٹھائی جائے گی(۱۶)۔ لہٰذا کسی مسلمان عورت یا مرد کا ایسی حالت اختیار کرنا‘ اسے دیکھنا‘ اس کی تصویر کشی اور اسے میڈیا پر دکھانے کا شمار فحاشی میں ہوگا۔

اس اصول کا اطلاق رقص پر بھی ہوتا ہے‘ کیونکہ اس میں جسمانی خطوط کا اظہار بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے اور جنسی جذبات کو انگیخت ہوتی ہے۔ اس میں اسلام کے غضِ بصر کے تصور کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہے اور قرآن و سنت کے تصورِ حیاء و عفت اور پاکیزگی کی بھی۔ لہٰذا کسی

مسلمان عورت کا رقص کرنا‘ دوسروں کا اسے دیکھنا‘ اس کی تصویر کشی اور اسے ٹی وی انٹرنیٹ وغیرہ پر دکھانا‘ ان سب امور پر فحاشی کا اطلاق ہوگا۔

اسی لیے اسلام نے عورت اور مرد کا دائرہ کار الگ الگ قرار دیا ہے اور انہیں بلاقید اختلاط سے منع فرمایا ہے اور عورتوں کو گھرداری اور بچوں کی تربیت اور مرد کو باہر کے مشقت طلب کاموں کے لیے مختص کیا ہے۔ اس اصول کی خلاف ورزی سے چونکہ غضِ بصر کے قرآنی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے‘ لہٰذا ہمارے معاشرے میں اختلاطِ مرد و زن کی اکثر صورتوں کا شمار فحش میں ہوگا‘ کیونکہ ایسی صورتوں میں اکثر عورتوں کا لباس ساتر نہیں ہوتا یا وہ میک اپ اور فیشن کر کے غیر محرم کے سامنے اظہارِ زینت کرتی ہیں جس سے اللہ اور رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

فیشن اور میک اپ (تبرّج الجاهلية)

اسلام مسلمان بیوی کو خاوند کے لیے زینت اختیار کرنے سے منع نہیں کرتا‘ لہٰذا اس اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عورت جائز حدود کے اندر جو زینت یا میک اپ یا فیشن کرے وہ جائز ہے‘ لیکن قرآن و سنت نے مسلمان عورت کو ’’تبرج الجاهلية‘‘ یعنی اپنی زینت اور فیشن غیر محرم مَردوں کو دکھانے سے منع کیا ہے اور گھروں میں ٹکنے کا حکم دیا ہے(۱۷) یعنی بلاضرورت گھر سے باہر جانے کو ناپسند کیا ہے۔ مطلب یہ کہ عورتوں کا غیر اسلامی فیشن اور میک اپ کر کے‘ بن ٹھن کر‘ بھڑکیلا لباس اور زیور پہن کر اور خوشبو لگا کر(۱۸) بازاروں اور مخلوط تقریبات میں جانا اور اپنا حسن غیر محرموں کو دکھانا فحش حرکت ہے اور ایسی عورتوں کو دیکھنا‘ ان کی تصویر کشی اور ان کو میڈیا پر دکھانے کا شمار فحاشی میں ہوگا۔ اس بارے میں قرآن و سنت کے احکام نہایت واضح ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى
لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ
اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ

غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡہَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ ؕ وَ تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ (النور)

’’(اے نبی ﷺ!) آپ مؤمن مردوں سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے۔ بے شک اللہ باخبر ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ!) آپ مؤمن عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں‘ اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں‘ مگر جو اس میں سے خود بخود ظاہر ہو جائے‘ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں‘ مگر اپنے شوہروں کے سامنے‘ یا اپنے باپ کے‘ یا اپنے سسر کے‘ یا اپنے بیٹوں کے‘ یا اپنے شوہر کے بیٹوں کے‘ یا اپنے بھائیوں کے‘ یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے‘ یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے‘ یا اپنی عورتوں کے یا اپنے غلام کے‘ یا زیردست مَردوں کے جو کچھ غرض نہیں رکھتے‘ یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے ابھی ناواقف ہوں۔ اس کے علاوہ اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے۔ اور اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

اس بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صِنۡفَانِ مِنۡ اَھۡلِ النَّارِ لَمۡ اَرَھُمَا :قَوۡمٌ مَعَھُمۡ سِیَاطٌ کَاَذۡنَابِ الۡبَقَرِ یَضۡرِبُوۡنَ بِھَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ کَاسِیَاتٌ، عَارِیَاتٌ، مُمِیۡلَاتٌ، مَائِلَاتٌ، رُءُوۡسُھُنَّ کَاَسۡنِمَۃِ الۡبُخۡتِ الۡمَائِلَۃِ، لَایَدۡخُلۡنَ الۡجَنَّۃَ، وَلَا یَجِدۡنَ رِیۡحَھَا، وَاِنَّ رِیۡحَھَا لَیُوۡجَدُ مِنۡ مَسِیۡرَۃِ کَذَا وَکَذَا)) (۱۹)

’’دوزخیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جو میں نے نہیں دیکھیں۔ ایک وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دُموں کی طرح کے کوڑے ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہیں (یعنی لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں) اور دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوتی ہیں (یعنی باریک اور تنگ کپڑے پہنتی ہیں جن سے جسمانی اعضاء جھلکتے ہیں) اور خود بہکنے والی اور دوسروں کو بہکانے والی‘ ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوتے ہیں (یعنی بالوں کے ناجائز فیشن کرنے والی)۔ یہ جنت سے محروم رہیں گی بلکہ

جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکیں گی‘ حالانکہ اس کی خوشبو بہت دور سے آ جاتی ہے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰہُ الۡوَاشِمَاتِ وَالۡمُسۡتَوۡشِمَاتِ وَالنَّامِصَاتِ وَالۡمُتَنَمِّصَاتِ وَالۡمُتَفَلِّجَاتِ لِلۡحُسۡنِ الۡمُغَیِّرَاتِ خَلۡقَ اللّٰہِ)) (۲۰)

’’لعنت کی اللہ نے جسم گدوانے والیوں‘ چہرے کے بال نکلوانے والیوں‘ دانت رگڑوانے والیوں اور خوبصورتی کے لیے اللہ کی بنائی ہوئی صورت بدلوانے والیوں پر۔‘‘

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ لَعَنَ الۡوَاصِلَۃَ وَالۡمُسۡتَوۡصِلَۃَ (۲۱)

’’رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی بالوں میں جوڑ لگانے اور لگوانے والیوں پر (یعنی وِگ لگانے اور لگوانے والیوں پر......‘‘

غلط باتوں کا سننا

کان سے گندی اور فحش باتیں سننے کو نبی کریم ﷺ نے کان کا زنا قرار دیا ہے (۲۲)۔ قوتِ سماعت کے غلط استعمال کے نتائج تباہ کن ہوتے ہیں‘ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے جھوٹ‘ چغلی اور غیبت کی باتیں سننے سے منع کیا ہے (۲۳)۔ کیونکہ کان حصولِ معلومات اور علم کا ایک بنیادی ذریعہ ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے روز دیکھنے کے علاوہ حسِ سماعت کے غلط استعمال کے بارے میں بھی باز پرس ہوگی (۲۴)۔

گانا سننا

گانے بجانے سے حظ اٹھانا انسانی سرشت کا حصہ ہے‘ اس لیے اسلام اس سے بالکلیہ منع نہیں کرتا بلکہ دوسرے بہت سے امور کی طرح اس کی تہذیب کرتا اور اسے اعتدال پر لاتا ہے اور اس کی غلط صورتوں سے روکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنے کا حکم دیا (۲۵) اور خود بھی قرآن اچھے قاریوں سے سنا (۲۶)۔ شادی بیاہ (۲۷) اور عید (۲۸) وغیرہ کے خوشی کے موقع پر لڑکیوں بالیوں کو گانے اور دف بجانے کی اجازت دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سفر کی بوریت دور کرنے کے لیے آلاتِ موسیقی کے بغیر محفوظ کلام سننا بھی احادیث سے ثابت ہے (۲۹)۔

تاہم متعدد احادیث سے اس کی غلط صورتوں سے منع بھی فرمایا‘ مثلاً دف جیسی سادہ

صورت کے علاوہ آلاتِ موسیقی کے استعمال سے منع فرمایا[۳۰]۔ غیر محفوظ کلام گانے سے منع کیا[۳۱]۔ عورتوں کو پیشہ ور مغنیہ بنانے اور ان کی کمائی کھانے کو حرام قرار دیا[۳۲] اور شراب و کباب اور ناچ گانے کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَّ، وَالْحَرِيْرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ اَقْوَامٌ اِلٰى جَنْبِ عَلَمٍ، يَرُوْحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَاْتِيْهِمْ لِحَاجَةٍ فَيَقُوْلُوْنَ: ارْجِعْ اِلَيْنَا غَدًا، فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ، وَيَضَعُ الْعَلَمَ، وَيَمْسَخُ آخَرِيْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))[۳۳]

’’میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو حلال کر لیں گے زنا کو‘ ریشم کا لباس پہننے کو‘ شراب پینے کو اور آلاتِ موسیقی کے استعمال کو۔ اور کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو دامن کوہ میں رہتے ہوں گے اور ان کے چرواہے جب دن بھر ان کی بھیڑیں چراتے تھکے ہارے شام کو ان کے پاس آ کر اپنی کوئی حاجت پیش کریں گے تو وہ ان کو مایوس لوٹا دیں گے۔ اللہ ایسے لوگوں پر پہاڑ الٹا دے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا اور جو باقی بچیں گے ان کو بندر اور سور بنا دے گا اور وہ اس حالت میں قیامت تک رہیں گے۔‘‘

نیز آپ ﷺ کے عہد میں گانے بجانے کے جتنے واقعات روایت ہوئے ہیں‘ ان میں یا تو اُس وقت کی معاشرت کے نچلی سطح کے لوگ‘ مثلاً غلام مرد اور عورتیں[۳۴] یا نابالغ لڑکیاں‘ شامل تھیں‘ جبکہ معاشرے کے معزز اور ذمہ دار افراد سے اس کا صدور ثابت نہیں۔

مغربی اور ہندو تہذیب کی پیروی میں ہمارے معاشرے میں فلم‘ ٹی وی‘ تھیٹر وغیرہ میں خواتین خصوصاً پیشہ ور مغنیات کا گانا یا گھروں میں ان کے مجرے کروانا فحاشی میں شامل ہے‘ اس لیے کہ ان میں عموماً عشقیہ گانے گائے جاتے ہیں اور آلاتِ موسیقی استعمال کیے جاتے ہیں۔ گانے بجانے کے ساتھ عموماً نیم عریاں رقص بھی ہوتا ہے جو حرام کو دو آتشہ کر دیتا ہے اور اس کا آخری نتیجہ عموماً زنا کی صورت میں نکلتا ہے‘ لہٰذا ان سارے امور کا فحش ہونا ظاہر و باہر ہے۔

ایک اسلامی مملکت میں پیشہ ور عورتوں کو گانے بجانے کے لائسنس جاری کرنا غیر قانونی اور غیر اسلامی حرکت ہے اور ہماری حکومتوں نے ہر شہر میں ریڈ لائٹ ایریا قائم کر کے اور گانے کے لائسنس جاری کر کے درحقیقت قحبہ گری کو رواج دیا ہے جو ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے۔

دوسرے یہ کہ گانے کے علاوہ گندی‘ جنسی اور بے حیائی کی باتیں سننا اور سنانا بھی فحاشی میں شامل ہے۔ تاہم علم و معلومات کے لیے مفید گفتگو سننا یا بیزاری اور یبوست دور کرنے کے

لیے محفوظ کلام یا مزاحیہ و خوشگوار گفتگو کے سننے میں کوئی حرج نہیں۔

زبان کا غلط استعمال

زبان کا غلط استعمال برائیوں اور گناہوں کی جڑ ہے‘ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’جو مجھے اپنی زبان کے غلط استعمال سے بچنے کی ضمانت دے‘ میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں‘‘[۳۵]۔ اسی لیے قرآن و سنت نے جھوٹ[۳۶]‘ چغلی[۳۷]‘ غیبت[۳۸] اور افواہیں پھیلانے کی مذمت[۳۹] کی ہے اور گندی‘ جنسی اور بے حیائی کی باتیں کرنے سے منع کیا ہے۔ یہاں تک کہ شادی شدہ مردوں اور عورتوں کو نجی جنسی باتیں دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے سے بھی منع کیا ہے[۴۰]۔

قرآن و سنت نے حق بات چھپانے[۴۱] یا جو دین نہیں ہے اسے دین بنا کر پیش کرنے کی[۴۲] سخت مذمت کی ہے۔ لہٰذا میڈیا پر اینکر پرسنز‘ اداکاروں اور مقررین کا جھوٹ بولنا‘ کسی کی عزت اچھالنا‘ گندی اور بے حیائی کی باتیں کرنا‘ ذومعنی مکالمے بولنا‘ غیر مصدقہ خبریں نشر کرنا‘ غیر مستند دینی باتیں کرنا اور پروڈیوسرز کا اس طرح کے پروگرام پیش کرنا اور مالکان کا یہ سب کرنے دینا...... ان سب کی اسلام اجازت نہیں دیتا اور مذکورہ سب لوگ ان امور قبیحہ کے لیے اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہوں گے اور اسلامی ریاست ان کے لیے دنیا میں بھی سزا مقرر کر سکتی ہے۔

ہاتھ اور پاؤں کا غلط استعمال

نبی کریم ﷺ نے انسانی ہاتھ پاؤں کے ایسے استعمال کو‘ جس کا آخری نتیجہ زنا ہو‘ ہاتھوں‘ پاؤں کا زنا قرار دیا ہے[۴۳]‘ لہٰذا ہاتھ سے ایسی تحریر لکھنا جس میں گندی‘ جنسی اور بے حیائی کی باتیں ہوں‘ بے دینی کی اور دینی اصول واقدار میں تشکیک پیدا کرنے والی باتیں ہوں یا ہاتھوں سے ذومعنی اور بیہودہ اشارے کیے جائیں‘ یا ہاتھوں سے غیر محرم کے جسم کو چھونا‘ ہاتھ پھیرنا‘ بوسہ لینا‘ ان سب امور کے بد اخلاقی‘ بے حیائی اور فحاشی پر مبنی ہونے کے بارے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح بے حیائی کے کاموں کے لیے چل کر جانا‘ جیسے گندی فلمیں اور تھیٹر دیکھنے یا مغنیات کے گانے اور مجرے سننے جانا‘ یہ سب اللہ کے دیے ہوئے پیروں کا غلط استعمال ہے‘ مقدماتِ زنا میں سے ہے اور فحش کام ہے۔

علم‘ قلب و دماغ کا غلط استعمال

قرآن و سنت تقویٰ یعنی اسلامی تعلیمات پر عمل کی بہترین حالت کو قلب سے منسوب

کرتے ہیں(۴۴) جب کہ مغربی تہذیب انسانی اعمال وافعال کو کنٹرول کرنے کا مرکز دماغ کو قرار دیتی ہے۔ تاہم حال ہی میں امریکی سائنسدانوں کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بہت سے انسانی فیصلوں میں قلب بنیادی کردار ادا کرتا ہے' قلب کا اپنا انٹیلی جنس اور میموری سسٹم ہے اور دماغ کے ساتھ اس کا منظم رابطہ رہتا ہے☆۔

ہم نے سطور بالا میں قرآن وسنت کے حوالوں سے عرض کیا ہے کہ انسانی زبان' آنکھوں اور کانوں وغیرہ کا غلط اور غیر شرعی استعمال گناہ اور فحاشی کو جنم دیتا ہے جب کہ ان افعال کو کنٹرول ہمارا دل (اور دماغ) کرتے ہیں۔ دل (اور دماغ) خیالات کی آماج گاہ ہیں۔ دل اور دماغ میں یہ خیالات زیادہ تر آنکھوں اور کانوں یعنی بصارت وسماعت کے ذریعے آتے ہیں۔ ان میں سے جو خیالات اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مبنی ہوں وہ ہمارے عقیدے اور ایمان کی بنیاد ہوتے ہیں۔ انسان کے اچھا' باعمل اور متقی مسلمان بننے کا انحصار اس پر ہے کہ آدمی کے ایمان اور عقیدے والے خیالات مضبوط ہوں اور وہ اپنی بصارت اور سماعت کے غلط استعمال سے گناہ اور فحاشی کے خیالات کو جنم نہ لینے دے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان دینی خیالات پر عمل کیا جائے جو آنکھوں اور کانوں کے ذریعے فحاشی والی چیزیں دیکھنے اور سننے سے منع کرتے ہیں۔ اگر انسان ایسا کرے تو زبان اور ہاتھ پاؤں کے فحاشی میں ملوث ہونے اور بدکاری سے بچ سکے گا۔ اسی لیے اسلام کہتا ہے کہ ایمان والے خیالات وحی یعنی قرآن وسنت پر مبنی ہونے کی وجہ سے حتمی طور پر صحیح ہوتے ہیں لیکن سماعت وبصارت سے وصول ہونے والے سگنلز صرف اسی وقت صحیح ہوتے ہیں جب وہ وحی کے مطابق ہوں' اور اگر وہ وحی کے خلاف ہوں تو وہ قابل رد ہوتے ہیں۔ یہی اسلام کا فلسفۂ علم ہے اور اسی لیے مغرب کا فلسفۂ علم اسلام سے متضاد ہے' کیونکہ وہ عقل پر مبنی مشاہدے اور تجربے کو حتمی سمجھتا ہے اور وحی کی سیادت کو رد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ آنکھوں اور کانوں کے ساتھ دل (فواد) بھی اللہ کے حضور جوابدہ ہوگا' کیونکہ یہ دل ہی ہے جو آنکھوں اور کانوں کے ذریعے موصول ہونے والے فحاشی کے سگنلز کو قبول یا رد کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے خیالات اور دل کی

☆ جن صاحبان کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ امریکہ میں مقیم پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر گوہر مشتاق کی کتاب The Intelligent Heart, the Pure Heart, Taha Publications, London ملاحظہ فرمائیں۔ اس کتاب کے بعض مباحث کا مصنف نے اردو ترجمہ بھی کر دیا ہے۔

پاکیزگی پر بہت زور دیا ہے اور یہی عفت وحیا کی بنیاد ہے۔

اخلاق کا دل سے کیا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجیے جس میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی جب ایک دفعہ جھوٹ بولتا ہے یا گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اور انسان کے مسلسل جھوٹ بولنے اور گناہ کرنے پر دل مکمل سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتا ہے(۴۵) اور اس میں خیر اور نیکی قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس کا حل یہ ہے کہ جھوٹ بولنے اور معصیت سے توبہ کی جائے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے کیونکہ ذکر انسان کو اللہ کے قریب کرتا اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا محرک بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ انسان کے دل میں گزرنے والے خیالات سے بھی واقف ہے(۴۶)۔

ان ساری باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ بری' گندی' جنسی اور بے حیائی کی باتیں سوچتے رہنا بھی ایک طرح کی فحاشی ہے' بلکہ یہ ایک بنیادی فحاشی ہے جو آنکھوں' کانوں' ہاتھوں اور پاؤں کی فحاشی کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا خیالات اور سوچ کو پاکیزہ رکھنا ضروری ہے جس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ اللہ کو یاد رکھا جائے' نماز باقاعدگی سے پڑھی جائے' قرآن وحدیث اور دینی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ نیک اور اچھے انسانوں کی صحبت میں رہا جائے اور کانوں کے ذریعے فحش سننے اور آنکھوں کے ذریعے فحش دیکھنے سے باز رہا جائے تاکہ دل پاک رہے اور انسان فحش خیالات سے بچا رہے۔

فواحش کے ارتکاب کی سزا

یہ بھی ذہن میں رہے کہ شدید فحش کاموں کی سزا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خود دنیا میں مقرر کر دی ہے' جیسے شادی شدہ زانی کے لیے رجم' غیر شادی شدہ زانی کے لیے سو کوڑے' جھوٹی تہمت لگانے' شراب پینے والے کے لیے ۸۰ کوڑے' فحش باتوں اور رویوں کے حامل فرد کی گواہی قبول نہ کرنا' اور آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہوگی۔ رب کائنات نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۹﴾ (النور)

''بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فحاشی پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''

لہٰذا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں کام کرنے والے ہمارے بھائیوں کو یہ خدائی تنبیہ یاد رکھنی چاہیے کہ فحش کی اشاعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب کی دھمکی دے رکھی ہے۔ حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ فحش کے ارتکاب پر سزا مقرر کرے تاکہ لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو۔

اُمید ہے کہ سطورِ بالا میں ان اکثر فحش باتوں اور کاموں کا اور ان کے احکام کا ذکر آ گیا ہے جن سے بچنے کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اسلامی تعلیمات سے انحراف اور مغربی تہذیب کے تتبع کے باعث آج ہماری معاشرتی حالت یہ ہوگئی ہے کہ ان میں سے کئی باتیں ایسی ہیں جو ہمیں آج کے پاکستانی معاشرے میں بہت سخت محسوس ہوتی ہیں' اور ان پر عمل بہت مشکل لگتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم قرآن وسنت کی تعلیمات کو بدل دیں' ان کا انکار کر دیں یا ان کی ایسی تشریح وتاویل کریں جس سے ان پر عمل کرنے سے جان چھوٹ جائے؟ نہیں! یہ سب باتیں غلط ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی باتیں صحیح اور سچی ہیں' ہمیں ان پر عمل کی کوشش کرنی چاہیے۔ کوئی کمی رہ جائے تو اس پر اللہ سے معافی مانگنی چاہیے اور اپنے حالات اور عادات کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے' نہ کہ نصاریٰ اور یہود کی طرح اللہ کی کتاب کو بدل ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہر مسلمان کو اسلام کی معاشرتی تعلیمات پر عمل کرنے اور فحاشی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

حصہ دوم: مغرب میں میڈیا کے بُرے اثرات

پاکستانی میڈیا جو مغرب کی پیروی کرتے ہوئے فحاشی اور عریانی کو پروموٹ کر رہا ہے' اسے یاد رکھنا چاہیے کہ خود مغرب میں اس روش کے بہت برے نتائج نکلے ہیں۔ حال ہی میں امریکہ میں کامن سینس میڈیا اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ کے کلینکل بایواتھکس ڈیپارٹمنٹ نے تین امریکی تحقیقی اداروں (ییل یونیورسٹی سکول آف میڈیسن' کیلیفورنیا پیسفک میڈیکل سنٹر اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ) کے نامور محققین کو بچوں اور نوجوانوں پر میڈیا (خصوصاً ٹی وی) کے اثرات کے حوالے سے تحقیقی سٹڈیز کا جائزہ لینے کی ذمہ داری سونپی۔

ٹیم نے ۱۷۳ بہترین سائنٹیفک اصولوں پر مبنی تحقیقی سٹڈیز کا جائزہ لیا جن میں سے

۸۰ فیصد نے تصدیق کی کہ صحت کے حوالے سے بچوں اور نوجوانوں پر پڑنے والے برے اثرات (۱۔ موٹاپا' ۲۔ سگریٹ نوشی' ۳۔ جنسی سرگرمیوں میں ملوث ہونا' ۴۔ نشہ آور ادویات کا استعمال' ۵۔ شراب نوشی' ۶۔ تعلیم میں پیچھے رہ جانا' اور ۷۔ خللِ توجہ کی نفسیاتی بیماری) کا میڈیا خصوصاً ٹی وی دیکھنے سے گہرا تعلق ہے۔ ٹیم نے نوٹ کیا کہ ایک ایوریج امریکی بچہ اور نوجوان ہفتے میں ۴۵ گھنٹے میڈیا پر صرف کرتا ہے جب کہ سکول میں وہ ۳۰ گھنٹے صرف کرتا ہے اور والدین کے ساتھ صرف ۱۷ گھنٹے گزارتا ہے۔

اس تحقیق کے مطابق:(۴۷)

۱۔ موٹاپے سے متعلق ۷۳ تحقیقی سٹڈیز میں سے ۸۶ فیصد نے یہ کہا کہ موٹاپے کا ایک بڑا سبب سکرین کے آگے زیادہ دیر بیٹھنا ہے۔

۲۔ سگریٹ نوشی سے متعلق ۲۴ تحقیقی سٹڈیز میں سے ۸۰ فیصد نے یہ کہا کہ تمباکو نوشی کا سبب میڈیا کا مشاہدہ ہے۔

۳۔ جنسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے حوالے سے ۱۴ تحقیقی سٹڈیز میں سے ۹۳ فیصد کی تحقیق کے مطابق نوجوانوں کے جنسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا سبب میڈیا ہے۔

۴۔ نشہ آور ادویات کے استعمال کے حوالے سے ۸ تحقیقی سٹڈیز میں سے ۷۵ فیصد کی رائے میں منشیات کے استعمال کی وجہ میڈیا ہے۔

۵۔ شراب نوشی کے متعلق ۱۰ تحقیقی سٹڈیز میں سے ۸۰ فیصد کے مطابق شراب نوشی کا سبب میڈیا ہے۔

۶۔ تعلیم میں پیچھے رہ جانے کے حوالے سے ۳۱ تحقیقی سٹڈیز میں سے ۶۵ فیصد کی رائے یہ تھی کہ تعلیمی پسماندگی کا سبب میڈیا کی مشغولیت ہے۔

۷۔ خللِ توجہ کے مرض سے متعلق ۱۳ تحقیقی سٹڈیز میں سے ۶۹ فیصد کے مطابق جو بچے اور نوجوان خللِ توجہ کے نفسیاتی مریض بن چکے تھے' اس کا سبب میڈیا کا بکثرت استعمال تھا۔

امریکی معاشرے میں تشدد اور قتل کے بڑھتے ہوئے رجحان کے بارے میں تین ہزار تحقیقاتی رپورٹوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس صورتِ حال کے پیدا کرنے میں ٹی وی پروگراموں کا بڑا حصہ ہے۔ سروے کے مطابق ایک امریکی لڑکا/لڑکی ۱۲ سال کی عمر تک پہنچنے تک قتل کے آٹھ ہزار اور تشدد کے ایک لاکھ واقعات ٹی وی پر دیکھ چکا ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ میں ۱۹۴۵ء میں

تشدد اور قتل کے جتنے واقعات ہوئے ۱۸۷۴ء تک اس میں ۹۳ فیصد اضافہ ہو چکا تھا۔(۴۸)

اسی طرح میڈیا خصوصاً ٹی وی خاندانی انتشار اور طلاقوں کی کثرت کا سبب بنا ہے۔ امریکی محقق زکری میکلوڈ کے مطابق ۴۰ سے ۶۰ فیصد امریکی شادیاں طلاق پر منتج ہو رہی ہیں اور ۲۵ فیصد بچے سوتیلی ماں یا باپ کے پاس پرورش پا رہے ہیں(۴۹)۔ ۲۰۱۱ء میں یونیورسٹی آف آیووا کی ایک تحقیق کے مطابق امریکہ میں طلاقوں کی کثرت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اکثر لڑکیاں شادی سے پہلے یعنی ۱۸ سال کی عمر سے بھی پہلے جنسی تجربے سے گزر چکی ہوتی ہیں(۵۰)۔ Jannet S.Hyde نے اپنی کتاب Understanding Human Sexuality میں اپنے سروے کے نتیجے میں لکھا ہے کہ امریکہ میں ۹۷ فیصد مرد اور ۸۰ فیصد عورتیں شادی سے پہلے مباشرت کر چکی ہوتی ہیں۔

اور آخر میں یہ کہ امریکہ کے مقبول مصنف سٹیفن آر کووے اپنی شہرہ آفاق کتاب The Seven Habits of Highly Effective Families میں ٹی وی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ”یہ سچ ہے کہ ٹی وی کے بے شمار فوائد بھی ہیں جن میں اچھی معلومات اور پر لطف تفریح شامل ہے‘ تاہم ہمارے اور اہل خانہ کے لیے اس میں نقصان کا پہلو زیادہ ہے۔ ٹی وی سے مثبت شے تلاش کرنا ایسے ہی ہے جیسے آپ کوڑے کے ڈھیر میں سلاد کے پتے ڈھونڈ رہے ہوں۔ ہوسکتا ہے آپ انہیں ڈھونڈ لیں‘ تاہم اس دوران آپ کا جس قدر گندگی اور مکھیوں سے واسطہ پڑے گا اس کا آپ بخوبی تصور کر سکتے ہیں...... امریکہ میں ہونے والے ایک سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہاں کے ۹۰ فیصد لوگ اخلاقی انحطاط کا شکار ہو رہے ہیں اور ۶۲ فیصد افراد کا خیال ہے کہ اس میں ٹی وی کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔“

جب مغرب میڈیا کی فحاشی اور عریانی کے یہ برے نتائج بھگت رہا ہے تو کتنی نادانی کی بات ہو گی کہ ہم بھی احمقوں کی طرح بلاسوچے سمجھے مغربی اصول و اقدار کی پیروی شروع کر دیں۔

حصہ سوم: میڈیا سے فحاشی کے خاتمے کے لیے سفارشات

فحاشی و عریانی سے متعلق شرعی احکام اگرچہ ہم نے پہلے حصے میں بلاکم وکاست بیان

کر دیے ہیں‘ لیکن پاکستانی معاشرے میں نہ تعلیم و تربیت کے ذرائع اسلامی تعلیمات کے مطابق کام کر رہے ہیں اور نہ معاشی اور معاشرتی زندگی اسلامی اصولوں پر استوار ہے‘ اس لیے تدریج کو مدنظر رکھتے ہوئے اور پہلے قدم کے طور پر ہم سفارش کرتے ہیں کہ:

فحاشی اور عریانی سے بچنے کے لیے ہمارا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا (ٹی وی‘ تھیٹر‘ فلمیں‘ کیبل‘ اشتہارات‘ موبائل وغیرہ) مندرجہ ذیل اسلامی اصولوں کی پابندی ضرور کرے۔

ہم وزیر اعظم پاکستان سے اپیل کرتے ہیں کہ نظریہ پاکستان اور پاکستان کی اخلاقی قدروں کی حفاظت کے لیے مزید وقت ضائع کیے بغیر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی اصلاح کریں۔

پاکستان کی سپریم کورٹ سے درخواست ہے کہ فحاشی اور عریانی کے سد باب کے لیے خود سے (Suo-Motu) ایکشن لیں اور پیمرا کی اصلاح کے لیے ضروری احکامات جاری کریں۔

۱۔ میڈیا پر آنے والی خواتین کے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ ننگا نہ دکھایا جائے اور لباس اتنا باریک اور تنگ نہ ہو جس سے اعضاء نمایاں ہوں۔

۲۔ کسی مرد و زن کو ایک دوسرے کو چھوتے‘ ناچتے‘ لچر اور عشقیہ گانے گاتے‘ فحش حرکات اور اشارہ بازی کرتے ہوئے نہ دکھایا جائے۔

۳۔ PTA کو پابند کیا جائے کہ وہ انٹرنیٹ پر موجود تمام مخربِ اخلاق ویب سائٹس اور بلاگز پر پابندی لگائے۔

۴۔ ننگی اور فحش فلموں کی CDs اور DVDs وغیرہ کی فروخت پر پابندی عائد کی جائے۔

۵۔ ایسی موبائل فون شاپس اور دیگر مقامات جہاں سے مخربِ اخلاق مواد کی فراہمی ہوتی ہے‘ انہیں اس کام سے روکا جائے۔

۶۔ ایسے مساج سنٹرز‘ شیشہ ہاؤسز اور نیٹ کیفے جہاں در پردہ فحاشی اور بدکاری پھیلائی جا رہی ہے‘ انہیں قانوناً ان افعالِ شنیعہ سے روکا جائے۔

۷۔ بعض موبائل فون کمپنیوں نے لڑکوں لڑکیوں کے درمیان رابطے کی سہولت کے لیے chat لائنز اور رات بھر کے خصوصی سستے پیکج متعارف کروائے ہیں‘ اس طرح کی سہولت کو ختم کر دیا جائے۔

۸۔ ریڈ لائٹ ایریاز کو دیے جانے والے گانے بجانے کے لائسنس اور شادیوں وغیرہ پر کیے جانے والے مجروں پر پابندی لگائی جائے۔

۹۔ پیمرا (PEMRA) کی اصلاح کے لیے سینٹ اور پارلیمنٹ کے ممبران پر مشتمل ایک سٹیرنگ کمیٹی قائم کی جائے تاکہ وہ آئین پاکستان‘ پیمرا کوڈ آف کنڈکٹ اور اسلامی نظریاتی کونسل کی تشریحات کے مطابق الیکٹرانک میڈیا کو چلائے۔

۱۰۔ قومی اور صوبائی سطح پر عوامی نمائندگان‘ علماء اور دانشوروں پر مشتمل سنسر بورڈ قائم کیے جائیں‘ جو از خود اور عوامی شکایات پر نوٹس لے کر عوام کو کلچر گند سے بچائیں اور پھینکنے والوں کا محاسبہ کریں۔

۱۱۔ میڈیا کے ذریعے عوام کو مہذب تفریحی پروگرام‘ سچ پر مبنی خبریں‘ بچوں کی صحیح تربیت اور والدین کی ذمہ داریوں‘ پاکستان کی خاندانی قدروں اور نظریہ پاکستان کو اُجاگر کرنے والے پروگرام دکھائے جائیں۔

۱۲۔ انٹرنیٹ پر بے حیائی‘ عریانی اور جنسی جذبات کو اُبھارنے والے مناظر (Pornography) سے بچانے کے لیے مناسب فلٹر لگائے جائیں۔ (بعض مغربی ممالک خصوصاً برطانیہ میں ایسا شروع ہو چکا ہے۔) رات بھر موبائل ٹیلیفون پر سپیشل پیکج بند کرائیں۔

۱۳۔ ہر T.V چینل کے لیے لازم قرار دیا جائے کہ وہ روزانہ کم از کم تین گھنٹے اخلاقیات‘ دینی‘ سائنسی‘ تعلیمی اور معلوماتی پروگرام دکھائیں۔

۱۴۔ بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لیے اور وقت کے ضیاع کو روکنے کے لیے ۲۴ گھنٹے ٹی وی کی بجائے دورانیہ ۱۶ گھنٹے کر دیا جائے۔

حواشی

۱) یہاں جو تھوڑے بہت غیر مسلم پائے جاتے ہیں‘ اسلام نے وسعت قلبی سے ان کے حقوق کا تعین کیا ہے (دیکھئے مثلاً سنن ابی داؤد‘ کتاب الخراج‘ باب تعشیر اهل الذمة) اور مسلم معاشرے اور ریاست کو انہیں ادا کرنے کا سختی سے حکم دیا ہے اور اس کی صراحت دستور پاکستان میں بھی موجود ہے (دیکھئے دفعہ ۳۶)

۲) کیونکہ رسول‘ اللہ ہی کی طرف سے مبعوث کردہ ہوتا ہے اور اس کی مرضیات کا نمائندہ اور مظہر ہوتا ہے اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بہت دفعہ رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے (دیکھئے مثلاً‘ المائدہ ۵:۹۲‘ النور ۲۴:۵۴ وغیرہ)

۳) کیونکہ اسلام عقیدے میں جبر کا قائل نہیں ہے‘ حسب قول سبحانہ وتعالیٰ ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (البقرہ ۲:۲۵۶)

۴) الذاریات ۵۱:۵۶

۵) الحدید ۵۷:۲۷‘ المائدۃ ۵:۲ وغیرہ

۶۔ ابن منظور‘ لسان العرب‘ الجزء السابع‘ ص ۳۲‘ طبع دار الحدیث بالقاھرۃ ۲۰۰۳ء

۷۔ Hans Wehr, *A Dictionary of Modern Written Arabic*, 3rd Edition, p-698, Macdonald and Evans Ltd. London, 1980.

۸۔ *The New Shorter Oxford English Dictionary*, vol 2, p-1967, Oxford University Press, 1993.

۹۔ ڈاکٹر جمیل جالبی‘ قومی انگریزی اردو لغت‘ صفحہ ۱۳۳۹‘ طبع ششم‘ مقتدرہ قومی زبان‘ اسلام آباد ۲۰۰۶ء

۱۰۔ صحیح البخاری‘ کتاب الاستیذان‘ باب زنی الجوارح

۱۱۔ صحیح مسلم‘ کتاب القدر‘ باب قدر ابن آدم حظه من الزنی

۱۲۔ سنن الترمذی‘ ابواب الاستیذان‘ باب ماجاء فی نظرة الفجأة

۱۳۔ صحیح البخاری‘ کتاب المظالم و الغصب‘ باب الغرفة العلیا...

۱۴۔ سنن ابی داوٗد‘ کتاب اللباس‘ باب فیما تبدی المرأة زینتها

۱۵۔ صحیح البخاری‘ کتاب الاستیذان‘ باب زنی الجوارح

۱۶۔ صحیح مسلم‘ کتاب اللباس والزینة‘ باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات۔

۱۷۔ الاحزاب ۳۳:۳۳

۱۸۔ سنن ابی داوٗد‘ کتاب الترجل‘ باب فی المرأة تطیب للخروج

۱۹۔ صحیح مسلم‘ کتاب اللباس‘ باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات

۲۰۔ صحیح مسلم‘ کتاب اللباس‘ باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة...

۲۱۔ صحیح مسلم‘ کتاب اللباس‘ باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة...

۲۲۔ صحیح مسلم‘ کتاب القدر‘ باب قدر ابن آدم حظه من الزنی

۲۳۔ سنن الترمذی‘ ابواب البر والصلة والآداب‘ باب ماجاء فی الذب عن (عرض) المسلم

۲۴۔ بنی اسرائیل ۱۷:۳۶

۲۵۔ صحیح البخاری‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب استذکار القرآن و تعاهده

۲۶۔ صحیح مسلم‘ کتاب صلاة المسافرین‘ باب فضل استماع القرآن

۲۷۔ سنن النسائی‘ کتاب النکاح‘ باب اللهو والغناء عندالعرس

۲۸- صحیح مسلم' کتاب صلاۃ العیدین' باب الرخصۃ فی اللعب
۲۹- سنن البیھقی' ج ۱۰' ص ۲۲۴
۳۰- مسند احمد' ج ۱۲' ص ۲۸۹ وسنن البیھقی' ج ۱۰' ص ۲۲۱-۲۱۳ والطبرانی حدیث ۱۲۶۰۱
۳۱- صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب شھود الملائکۃ بدراً
۳۲- صحیح مسلم 'باب تحریم مطل الغنی۔
۳۳۔ صحیح البخاری ' کتاب الاشربۃ' باب ما جاء فیمن یستحل الخمرو یسمیہ بغیر اسمہ
۳۴- صحیح البخاری' کتاب الجھاد والسیر' باب اللعب بالحراب ونحوھا
۳۵- صحیح البخاری ' کتاب الرقاق' باب حفظ اللسان
۳۶- النور ۲۴: ۷
۳۷۔ القلم ۶۸: ۱۱
۳۸- الحجرات ۴۹: ۱۲
۳۹- الحجرات ۴۹:۶
۴۰- سنن ابی داوٗد' کتاب الادب
۴۱- البقرۃ ۲: ۱۵۹
۴۲-سنن النسائی' کتاب العیدین' باب کیف الخطبۃ
۴۳- مسند احمد' مسند ابی ھریرہ' حدیث ۸۳۹۲
۴۴- ق ۵۰: ۳۷' الجاثیۃ ۴۵: ۲۳۔ صحیح مسلم' کتاب البروالصلۃ والآداب' باب تحریم ظلم المسلم۔
۴۵- موطأ امام مالک' کتاب الجامع' باب ما جاء فی الصدق والکذب۔ و سنن الترمذی' باب تفسیر القرآن' سورۃ المطففین۔
۴۶- غافر: ۴۰: ۱۹
۴۷- For the full report please see www.commonsensemedia.org
۴۸- Zachary G. McLeod, *Media Technology Affects American Society* in Brain K. Williams, Stacy C. Sawyer, Carl M. Wahlstrom, *Marriages, Families & Intimate Relationships*, 2005
۴۹۔ http://divorcelawca.com/category/summary-dissolution.

Retrived 2010-06-11
۵۰۔ Marcus, Stephanie (June 15, 2011). "*Women Who Lost Virginity Early More Likely to Divorce: New Study*". Huffington Post.
http://www.huffingtonpost.com/2011/06/15/virginity-teens-divorce-study_n_877529.html.com
Retrived October 28, 2011

❁❁❁

روزے داروں کی خصوصی فضیلت

عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ ؓ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :((اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ بَابًا یُقَالُ لَہٗ: الرَّیَّانُ، یَدْخُلُ مِنْہُ الصَّائِمُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، لَا یَدْخُلُ مِنْہُ اَحَدٌ غَیْرُھُمْ، یُقَالُ :اَیْنَ الصَّائِمُوْنَ؟ فَیَقُوْمُوْنَ، لَا یَدْخُلُ مِنْہُ اَحَدٌ غَیْرُھُمْ، فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ،فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْہُ اَحَدٌ)) (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الریان للصائمین)

حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہا جاتا ہے۔ قیامت والے دن اس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے' ان کے سوا اس سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا: روزے دار کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہوں گے (اور اس سے داخل ہو جائیں گے۔) ان کے سوا اس سے کوئی اور داخل نہیں ہوگا۔ جب وہ داخل ہو جائیں گے تو اسے بند کر دیا جائے گا' چنانچہ کوئی اور اس سے داخل نہیں ہوگا۔''

فائدہ: اس میں روزے داروں کی خصوصی فضیلت کا بیان ہے۔ روزے داروں سے مراد وہ اہلِ ایمان ہیں جو رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ دیگر ایام میں کثرت سے نفلی روزے رکھتے ہیں' ورنہ رمضان کے روزے تو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کلمۂ شکر ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ تعریف بھی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اصولاً کسی زبان کے دو الفاظ بالکل ہم معنی نہیں ہوتے' ان کے معنی اور مفہوم میں ضرور کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حمد کا معنی صرف تعریف نہیں بلکہ شکر بھی ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا جامع ترجمہ ہوگا ہر طرح کی تعریف اور شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔ الحمد صرف اللہ کے لیے ہے' کیونکہ وہی ایسی ذات ہے جو ہر قسم کی تعریف کے لائق ہے اور وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ اُس کا شکر ادا کیا جائے۔ جب مخلوقات کے کسی فرد کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ دراصل اللہ کی تعریف ہوتی ہے' اس لیے کہ ہر شے کو قابل تعریف بنانے والا وہی ہے اور پھر عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ جو احسان کرے اس کے ساتھ بھی احسان کا رویہ رکھا جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾﴾ (الرحمٰن) ''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے؟'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس نے انسانوں کا شکر ادا نہ کیا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا''۔ اس حقیقت کا اعتراف ہر باشعور انسان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے' اُس کے احسان کے بدلے میں احسان تو ممکن نہیں' البتہ شکر کے جذبات کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کہ سب کی سب تعریف بھی اللہ کی ہے اور سرتاسر شکر کے لائق بھی وہی ہے۔ چونکہ اس کلمے میں ایک واقعی حقیقت کا اعتراف ہے' اس لیے اس کی بڑی فضیلت ہے۔

اللہ کی تعریف اور شکر کے دو اظہار ہیں' ایک زبانی اور دوسرا عملی۔ زبانی تو یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا کثرت سے ذکر کیا جائے اور حدیث میں وارد ثواب حاصل کیا جائے۔ جبکہ اس کا عملی پہلو یہ ہے کہ ہر قابل تعریف شے کو دیکھ کر اللہ کی عظمت کا اقرار کیا جائے کہ اصل تعریف اُسی کی ہے۔ کسی انسان کو حسین وجمیل دیکھا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس کا یہ حسن وجمال عطیہ

خداوندی ہے۔ اگر کسی کو علوم وفنون سے آراستہ دیکھا جائے تو اللہ کی تعریف کی جائے کہ وہی واحد ذات ہے جو ہر طرح کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔

جب کوئی بندہ پورے شعور کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہہ رہا ہوتا ہے تو وہ اس بات کا اعتراف کر رہا ہوتا ہے کہ جہاں ہر قسم کی تعریف کا سزاوار اللہ واحد ہے اسی طرح وہی اس قابل ہے کہ اس کے سامنے نیازمندی کے ساتھ سر جھکایا جائے کہ اس نے حق گوئی کی توفیق دی اور طرح طرح کی صلاحیتوں کے ساتھ نوازا۔ یہ کلمہ ایک اٹل اور صحیح ترین حقیقت ہے۔ واقعی سب تعریف اللہ کی ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا عملی اظہار یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی صلاحیت اور قابلیت کو اس کی رضا کے مطابق خرچ کیا جائے' کیونکہ جو نعمتیں انسان کو دی گئی ہیں ان کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ان کا شکر ادا کیا یا نہیں؟ یعنی ان کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کیا یا اس کی نافرمانی میں خرچ کیا؟

پھر اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے والے سے راضی ہوتا ہے اور اپنی نعمت اس کے حق میں زیادہ کرتا ہے۔ شکر ادا کرنے والا اپنا ہی فائدہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾﴾ (ابراھیم) ''اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا' اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو) میرا عذاب شدید ہے۔''

قرآن مجید میں اس کلمے کا اکثر ذکر ہے۔ پانچ سورتیں تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے شروع ہوتی ہیں: الفاتحہ' الانعام' الکہف' سبا اور فاطر۔ اور سورتوں کے اندر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا بار بار ذکر ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام جیسے صالح فرزند عطا ہوئے جو آگے چل کر منصب نبوت پر سرفراز کیے گئے تو اس نعمت پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح شکر کے جذبات کا اظہار کیا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾﴾ (ابرٰھیم) ''کل تعریف اور شکر اللہ کے لیے ہے' جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسمٰعیل اور اسحٰق عطا فرمائے' یقیناً میرا ربّ دُعا کا سننے والا ہے''۔ یعنی دعا قبول کرتا ہے۔ جب اہل ایمان کو حساب کتاب کے بعد جنت میں بھیجا جائے گا تو شکر وسپاس کا یہ ترانہ ان کی زبان پر جاری ہوگا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِھٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ (الاعراف:۴۳) ''کل تعریف اور شکر اُس اللہ کے لیے ہے

جس نے ہمیں ہدایت فرمائی۔ ہم ہدایت نہ پا سکتے اگر اللہ ہی ہماری راہنمائی نہ فرماتا‘‘۔ اسی طرح جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَذۡہَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ﴾ (فاطر:۳۴) ’’ہر طرح کی تعریف اور شکر اس ذات کا ہے جس نے ہم سے غم دُور کر دیا‘‘۔ ہر شخص خواہ کتنا ہی نیکوکار ہو اس فکر میں رہتا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔ مگر اہلِ ایمان جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ اسے سراسر اللہ تعالیٰ کی مہربانی جانیں گے اور اس کا شکر ادا کریں گے کہ اس نے غیر یقینی کیفیت سے نجات عطا فرمائی۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وہ جملہ ہے جو عرش کے گرد کے فرشتے دہراتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور ساری خوبیاں اُسی کے لیے ہیں۔ سورۃ الزمر کی آخری آیت ہے: ﴿وَتَرَى الۡمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ﴾ (الزمر:۷۵) ’’اور تم دیکھو گے فرشتوں کو کہ وہ عرشِ الٰہی کو گھیرے ہوئے ہوں گے‘ اپنے رب کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے اُس کی حمد کے ساتھ۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے بھی کلمہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کو اکثر وظائف کا جزو قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی بندہ نیند سے بیدار ہو تو کہے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَحۡیَانَا بَعۡدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ یعنی ’’کُل شکر اور تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں زندہ کیا اس کے بعد کہ اُس نے ہم پر موت طاری کر دی تھی اور (ایک دن اسی طرح) اُس کی جانب لوٹ جانا ہے‘‘۔ اسی طرح کھانا کھایا جائے‘ پانی پیا جائے تو ان الفاظ میں اللہ کا شکر ادا کیا جائے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَطۡعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ یعنی ’’کُل شکر اور ثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں شامل فرمایا‘‘۔ اسی طرح لباس پہننے کی دعا بھی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے کہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ کَسَانِیۡ ہٰذَا الثَّوۡبَ وَرَزَقَنِیۡہِ مِنۡ غَیۡرِ حَوۡلٍ مِّنِّیۡ وَلَا قُوَّۃٍ (حِصنُ المسلم) یعنی ’’ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور مجھے میری ذاتی قوت اور طاقت کے بغیر یہ عطا کیا‘‘۔ الغرض ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت حاصل کرو یا اس سے فائدہ اٹھاؤ یا اپنی کسی تکلیف سے نجات پاؤ تو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش کا اعتراف کرو۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا اور جذباتِ شکر کا اظہار خالق کائنات کو اس قدر پسند ہے کہ سورۃ الفاتحہ جو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے کو نماز کا لازمی جزو قرار دے دیا کہ اس کی تلاوت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا یہ معمول تھا کہ کثرت کے ساتھ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ

کہا کرتے اور ہر نعمت پانے پر اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہتے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہنا گویا اس امر کی شہادت ہے کہ کہنے والا یہ اقرار کر رہا ہے کہ جو بھی نعمت اُسے ملی ہے اور ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا اور فضل ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ۝۸﴾ (التکاثر) ’’پھر اُس دن تم سے ضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارے میں‘‘۔ یعنی یہ کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتیں تم نے بے دریغ اور بے دردی سے استعمال کیں یا ان کی قدر و قیمت کو پہچانا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی دین سمجھا!

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق ؓ ابوالہیثم ؓ نامی صحابی کے مکان پر دعوت میں گئے۔ وہاں تازہ کھجوریں کھائیں‘ اس کے بعد گوشت کھایا اور ٹھنڈا پانی پیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یہی ہیں وہ نعمتیں جن کے متعلق قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا‘‘۔ یہ بات صحابہ کرام ؓ کو بڑی دشوار محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہیں ایسی چیزیں (کھانے کو) ملا کریں تو بِسۡمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ پڑھ لیا کرو اور سیر ہونے کے بعد ان الفاظ میں شکریہ ادا کر لیا کرو تو تمہاری یہ (شکر گزاری) اس نعمت کا بدل ہو جائے گی اور حق نعمت ادا ہو جائے گا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہُوَ اَشۡبَعَنَا وَاَرۡوَانَا وَاَنۡعَمَ عَلَیۡنَا وَاَفۡضَلَ (حصن حصین) ’’اُس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں سیر کیا اور سیراب کیا اور ہم پر فضل و انعام فرمایا‘‘۔ گویا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کی تعریف کا اقرار کرنا بھی ہے اور اس کا شکر ادا کرنا بھی ہے کہ وہی نعمتیں عطا کرنے والا ہے اور وہی مصائب اور پریشانیاں دور کرنے والا ہے۔

مخلوق کا ہر فرد‘ خواہ جاندار ہو یا بے جان‘ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہے‘ کیونکہ اُس کا وجود اُسی کا مرہونِ منت ہے اور اسے جو بھی صلاحیت عطا ہوئی ہے وہ اُسی اللہ کی دین ہے۔ پس ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنے‘ اپنی ہر صلاحیت اور خوبی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا مطلوب اور محمود ہے اور بڑے اجر کا باعث ہے۔ اور اگر کوئی فرد اُس کے انعامات کا اعتراف نہیں کرتا اور شکر گزار نہیں بنتا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنے گا‘ کیونکہ یہ واضح ترین حقیقت کو جھٹلانا ہے۔

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۷)

مرتب: پروفیسر حافظ قاسم رضوان

☆

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور اباجی

مولانا محمد منظور نعمانیؒ، سید ابوالحسن علی ندویؒ (علی میاں) اور اباجی نے ۱۹۳۹ء میں اکٹھے کچھ دینی مقامات کا سفر کیا جس میں رائے پور بھی شامل تھا۔ یوں مولانا محمد منظور نعمانی، علی میاںؒ اور اباجی کے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ساتھ تعلق پیدا ہونے کے موجب بنے۔

بزرگوں میں سے حضرت رائے پوری کے ساتھ اباجی کا غالباً سب سے زیادہ قلبی، عقیدت مندانہ اور محبت بھرا تعلق تھا۔ اباجی کی دستیاب ڈائریوں (تقسیم ہند سے پہلے کی ڈائریاں ہجرت اور سیلاب کی نذر ہو گئی تھیں) کے حوالے سے حضرت رائے پوری کا ذکر ۱۹۵۱ء میں ملتا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں حضرت رائے پوری نے مع خدام کے حج فرمایا تھا، جس میں اباجی بھی شریک تھے۔ حضرت کے واپس آنے کے بعد بھی اباجی وہیں ٹھہرے رہے اور ۱۹۵۱ء کا حج کر کے واپس آئے۔ اوائل ۱۹۵۳ء میں شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ پاکستان تشریف لا کر لاہور (اپنے مرید اور مسلم لیگی رہنما صوفی عبدالحمید کی کوٹھی میں) ٹھہرے تو اباجی کی بھی حاضری شروع ہوئی۔ ذکر کی فرضیت کے بارے میں اباجی کے سوال کے جواب میں حضرت نے ذکر کو خاص تسبیح کے معنوں میں مستحب فرمایا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ عام وسیع معنوں میں ساری عبادت ہی ذکر الٰہی ہے، ورنہ تسبیح کے علاوہ اور کوئی کام ہی محال ہے۔ اوائل ۱۹۵۴ء میں حضرت رائے پوری کا لائل پور (موجودہ فیصل آباد) اور ڈھڈھیاں (سرگودھا) کا سفر ہوا۔ چک جھمرہ میں حضرت اور اباجی کی ملاقات ہوئی، جس میں حضرت رائے پوریؒ نے اباجی سے رضوان کی (رہائشی) سکیم کے بارے میں پوچھا اور اباجی نے اس کی وضاحت کی۔ چند حاضرین نے اس

تخیل پر حیرانگی بھی ظاہر کی۔ اباجی نے جواب دیا کہ عبادات پر عمل پیرا ہونا تو آسان ہے لیکن بھائی کی بات کو برداشت کرنا اور اپنی اصلاح کرنا مشکل امر ہے۔ مگر معاشرے کی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں۔ بعد میں حضرت رائے پوریؒ نے دعا فرمائی کہ اگرچہ کام کے آدمی ملنا مشکل ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے کام کے آدمی عطا کرے۔ (آمین!)

اس کے بعد ڈھڈھیاں کے ایک اور سفر ۱۱ فروری ۱۹۵۴ء کا حال ہے۔ ایک سوال کہ خضر ایک ہیں یا کئی، کے جواب میں حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ کئی روایات ہیں اور غالباً یہ ایک مقام کا نام ہے جس پر کئی لوگ بیک وقت اور یکے بعد دیگرے بھی فائز ہوتے رہے ہیں۔ ایک اور مجلس کا لُبِ لُباب یہ تھا کہ حضور پاک ﷺ کی جامع زندگی والی جامعیت کسی اور کے حصے میں بالکل اسی طرح نہیں آئی۔ ہر صحابی نے اپنی استطاعت (اہلیت) اور موقع وضرورت کے مطابق خدمت (اسلام) کی۔ اسلام کے شروع میں ایران اور روم فوجی طاقت کے مظہر تھے اور دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کو متوجہ کرنے کا واحد ذریعہ فوجی طاقت کا مظاہرہ ہی تھا، جس میں وہ سارے سامان رکھتے ہوئے بھی مغلوب ہوئے۔ یہ کام صحابہ کرام ؓ نے بدرجہ اتم انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وقت کے مطابق آدمی پیدا کیے اور ان سے کام لیا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو اللہ تعالیٰ نے (اپنے) وقت کے مطابق اہلیت اور قابلیت عطا فرمائی اور ان سے تحفظ اسلام کا کام لیا۔ جامع شخصیت صرف نبی کریم ﷺ کی ہی ہے۔ اُمتی اپنے نبی کی شخصیت کے کسی نہ کسی پہلو کا اتباع ہی کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی سفر میں ۱۴/ فروری کو نماز فجر کے بعد کی ایک مجلس کا ذکر ہے جس میں حضرت رائے پوریؒ نے علماء کی اولادوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن مجید حفظ کر کے ساری عمر اسی کو بیچتے رہتے ہیں۔ کوئی باقاعدہ روزگار نہ سیکھنے کی وجہ سے ساری عمر بیکار اور مفلس رہتے ہیں۔ اگر کوئی خدا کا بندہ ان کو اپنی اصلاح کا مشورہ دے اور ان کے نصاب یا طریقہ تعلیم میں کسی بہتری کی کوشش کرے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جس کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آگے ان کی اولادیں دنیا کی کشش کا مقابلہ نہ کرتے ہوئے بالکل ہی دنیادار اور دین سے دور ہو جاتی ہیں۔ مزید ارشاد ہوا کہ علماء کی اقتصادی حالت درست کرنا چاہیے۔ (وہ) بچوں کو کارخانے میں کام کرنا سکھلائیں تاکہ دنیا کے گزارہ میں دوسروں سے پیچھے نہ رہیں۔ حاضرین میں سے کسی ایک کی بات کے ضمن میں حضرت نے کالج کے طالب علموں میں دین کی تبلیغ کی اہمیت بیان فرمائی۔

اگلے روز ۱۵ فروری کی صبح کی مجلس میں اباجی نے حضرت رائے پوریؒ سے سوال کیا کہ قرآن مجید کی تلاوت بجائے خود ایک مقصد ہے یا کسی اور مقصد کے لیے واسطہ ہے۔ حضرت نے جواباً فرمایا کہ زمین خریدنا‘ پانی کا انتظام کرنا‘ ہل چلانا‘ بیج ڈالنا‘ فصل کاٹنا‘ ذخیرہ کرنا‘ پیسنا‘ پکانا‘ کھانا اور صحیح ہضم ہونا‘ سب کے سب وقتی مقاصد بھی ہیں اور اپنے سے اعلیٰ مقاصد کے لیے واسطے بھی ہیں۔ قرآن خوانی‘ نماز‘ ذکر اور دیگر ساری عبادات اور معاملات کا یہی مقام ہے۔ ان کی ادائیگی میں پوری توجہ چاہیے تو وہ صحیح طور پر تکمیل پائیں اور پھر اگلے اقدام کے لیے تیار کریں۔ سب سے بڑا اور انتہائی اور اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کو محبوب کے مقام پر تسلیم کر کے اس کی رضا مقصود ہو گی تو محبوب کے خصائل بھی طالب میں آ جائیں گے۔ راحت‘ اطمینان‘ استغناء‘ حیاتِ ابدی اس اَحکم الحاکمین کے اوصاف ہیں اور اس کی رَضاجوئی کے اہتمام سے انسان میں بھی اِن اَوصاف کا پرتو آ جائے گا۔ اللہ رحیم ہے تو دنیا میں اس کا خلیفہ اور نائب انسان بھی رحم کرے۔ اللہ کا رحم اپنی مخلوق اور اس میں سے بھی خاص طور پر اشرف المخلوق انسان کے لیے ہے۔ تو انسان کا رحم بھی اللہ کی مخلوق اور خاص طور پر اپنے ہم جنس اشرف المخلوق انسان کے لیے ہوگا۔ اسی طرح رازق‘ کریم‘ رب‘ حافظ‘ ناصر‘ ہادی اور غفور کا عارضی اور مجازی مظہر یہی انسان بنے گا اور بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ان دوسری صفات کی جھلک بھی آنے لگے گی۔ وہ مستغنی المزاج ہوتا جائے گا اور اطمینانِ قلب بھی نصیب ہوگا۔ ایسی حالت میں موت بھی انسان کے لیے محض ایک لباس تبدیل کرنے اور چولا بدلنے کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اطمینان اور راحت فنا نہیں ہوتے۔ ’’سن رکھو جو لوگ اللہ کی طرف ہیں‘ نہ ڈر ہے ان پر نہ غم کھاویں۔ جو لوگ یقین (ایمان) لائے اور رہے پرہیزگار‘ ان کو ہے خوشخبری دنیا کے جینے اور آخرت میں (القرآن)‘‘۔ شرطِ قبولیت ایمان اور تقویٰ ہیں۔ اللہ کے حکم کو ماننے اور ان کے مطابق نیک عمل کرے۔ انہیں دُنیا اور آخرت کی زندگی میں ڈر اور غم نہ ہوگا۔ نہ کسی موجود مصیبت کا غم‘ نہ آنے والی کا ڈر‘ یہی حیاتِ ابدی کا پرتو ہے جو اللہ کے فرمانبردار‘ اللہ کے دوست کو نصیب ہوگی۔ یہ حیاتِ طیبہ ہے جو مرنے کے بعد بھی ختم نہ ہوگی۔ اسی رضائے الٰہی اور تعلق باللہ کے ہوتے ہوئے کسی آزمائش سے آدمی ڈگمگاتا نہیں۔ مرض ہو یا غریبی ہو سب گزرتی جاتی ہیں۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے جب حضرت بن یامین کو بتادیا کہ وہ ان کے بھائی ہیں تو پھر انہیں چور بنانا اور اس کی پاداش میں غلام بنانا‘ سب قبول ہوا اور ان کا مطلق رنج نہ ہوا۔ یہی ولایت ہے۔ آدمی اسی کوشش میں لگا رہے۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ (الحدیث) دنیا کی ساری تگ و دو دُنیوی حیاتِ طیبہ کے لیے ہے اور دُنیوی حیات محض اُخروی حیاتِ طیبہ حاصل کرنے کے لیے ہے۔

اسی شام کی مجلس میں علماء کے مقام کا ذکر آیا تو حضرت رائے پوریؒ یوں گویا ہوئے کہ یہ دین اور اخلاق کے استاد ہیں۔ لوگ اس حیثیت سے ان کی جانب رجوع بھی کرتے ہیں اور ان کی بات بھی سن لیتے ہیں‘ مگر ان استادوں کا عملی طور پر زندگی میں دخل برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر وہ کسی کو اس کی عادات واعمال پر ٹوکنے لگیں یا کسی بڑے معاملے میں دلچسپی لینے لگیں یا انتخابات وغیرہ میں آگے آنے لگیں تو سب ادب آداب دھرا رہ جاتا ہے اور گالیوں تک نوبت آ پہنچتی ہے۔ قوم بھی اس وجہ سے ان کے فیض اور ان کے تتبع سے محروم رہ جاتی ہے۔ اس سے منسلک ایک گفتگو میں حضرت نے فقہی مسالک کے اختلاف کے ضمن میں فرمایا کہ فقہی مسائل میں تو کوئی اشکال نہیں۔ جس طرح بھی عمل کیا جائے‘ درست ہے‘ ان شاء اللہ قبول ہوگا۔ صرف علماء اور اکابرین کی عزت برقرار رکھنا چاہیے اور طعن و تشنیع اور برا بھلا کہنے سے احتراز کیا جانا چاہیے۔

ایک اور بعد از نماز مغرب کی محفل کا یوں ذکر ہے کہ حضرت رائے پوریؒ نے اباجی سے انجمن رضوان کے بارے میں بڑے دلچسپ پیرایہ میں دریافت فرمایا کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ ابھی تو ملازمت کا وقت تھا‘ گیارہ برس میں کیا کیا؟ (اباجی نے خدمت دین کے جذبہ سے اس وقت کے لحاظ سے تقریباً سترہ‘ اٹھارہ برس پہلے ۱۹۴۲ء میں ملازمت چھوڑ کر پنشن لے لی تھی) قصبہ (اجنالہ‘ ضلع امرتسر) میں چار برس کے بعد کیا جواب ملا؟ ہم دین پر نہیں چل سکتے۔ شہر میں چار برس کے بعد کیا جواب ملا؟ ہم بھی دین پر نہیں چل سکتے۔ حرمین (شریفین) میں سوا سال میں کیا دیکھا؟ ہاں شرعی معاشرہ اور قرآنی احکام تو (کما حقہٗ) واقعی کہیں بھی رائج نہیں۔ ہاں اطاعت کے بغیر تو نصرت نہیں آئے گی۔ ہاں کوئی چھوٹی سے چھوٹی سلطنت (حکومت) یا جگہ بھی ایسی ہو جائے تو دنیا کے سامنے ایک (عملی) نمونہ آ جائے۔ یہی (عملی نمونہ کے بارے میں) لینن نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے کہا تھا۔ مجھے تو سب معلوم تھا۔ میں نے کہا یہ (لوگ) بھی سن لیں۔ [اس طور پر بھرے مجمع میں غیر مبہم الفاظ میں تائید حضرت (رائے پوریؒ) نے آج

فرمائی۔ اللہ کا شکر ہے۔ بندہ (اباجی) تو اسے اُس کی رضا اور نصرت کی علامت سمجھتا ہے۔]

اواخر ۱۹۵۴ء میں اباجی کے ہندوستان کے سفر کا ذکر ملتا ہے۔ جس میں آپ حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور تخلیہ میں اپنی حالت بیان کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان‘ دل کا اطمینان‘ استغناء کی کیفیت‘ اشخاص کی پہچان اور امور کی سمجھ‘ اللہ سے راضی ہونا اور اللہ کا راضی ہونا‘ وغیرہ۔ حضرت نے بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کے احسانات یاد کرنے اور شکر ادا کرنے کی تلقین کی۔ اباجی نے بھی دعا کی درخواست کی کہ باری تعالیٰ اپنے دین کی خدمت میں جوڑ لیں اور اپنی رضا عطا فرمائیں۔ ان کی ہدایت اور رحمت کی آرزو ہے۔ (آمین)

اوائل ۱۹۵۵ء میں حضرت رائے پوریؒ لاہور تشریف لائے۔ اباجی نے بھی حاضری دی اور پھر تخلیہ میں اپنی کیفیت یوں بیان کی: اللہ کی ہر نعمت کے شکریہ کی حالت۔ ادھر خیال رہنے سے اللہ کی معیت کا احساس‘ اس احساس سے ہر نئی واردات پر اسی کے نگران اور نگہبان ہونے کا یقین۔ حضرت نے (جواباً) فرمایا کہ سلوک کے دو راستے ہیں: جہد کی لائن اور شکر کی لائن۔ جُہد تو محنت کا راستہ ہے اور بعضوں پر شکر کرتے ہی اللہ کا فضل ہو جاتا ہے۔ حضرت رائے پوریؒ کے اس ارشاد سے اباجی کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ ایک اور مجلس میں حضرت رائے پوریؒ کے ارشاد کے حوالہ سے تحریر ہے کہ آپ نے ذاتی اخلاق بلند کرنے کی تاکید کی۔ مزید ارشاد ہوا کہ خلوص اولین شرط اور نعمت ہے‘ پھر جتنی بھی کوشش ہو سکے ہر فعل عبادت بن جاتا ہے۔ مباح بھی نوافل بن جاتے ہیں۔ کسبِ معاش بھی مراقبہ کے اوصاف پیدا کر لیتا ہے۔ اسی دوران لائل پور (موجودہ فیصل آباد) حضرت رائے پوریؒ کے ایک سفر کا ذکر ہے جہاں اباجی نے بھی حاضری دی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قبض (سلوک کے حوالے سے) تین وجوہات سے ہوتی ہے: یا گناہ سے‘ اس کا علاج توبہ ہے۔ یا جسمانی بیماری سے‘ اس کا علاج دوا ہے۔ یا خود بخود‘ جو ترقی درجات کا باعث بنتی ہے۔ مزید فرمایا کہ خواب یا تو محض اپنا خیال ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی شفقت خواب والے کے مناسبِ حال ایک شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اباجی کے روزنامچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۵۴ء کا رمضان المبارک اباجی نے حضرت رائے پوریؒ کی معیت میں گھوڑا گلی (مری) گزارا تھا۔ اب ۱۹۵۵ء کا رمضان المبارک بھی اباجی نے حضرت کی معیت میں گھوڑا گلی میں بسر کیا۔ رمضان شریف کی اپنی مصروفیات اور معمولات کی وجہ سے مجالس کا ذکر کم ہی ہے۔ ایک مجلس میں حضرت کے ارشادات کا حوالہ ہے

کہ نبوت کی لائن کو بادشاہت کا التزام نہیں‘ ورنہ سب نبی بادشاہ ہوتے اور سب سے بڑے بادشاہ ہوتے۔ مگر صورت یہ ہے کہ بڑے بڑے فاتح اور جہانبان بادشاہ تو ہوئے مگر نبی نہیں۔ نبی کا کام اخلاق سدھارنا اور تزکیۂ نفس ہے اور بادشاہی اکثر اس کے برعکس ہی ہوتی ہے۔ خود مسلمانوں میں جب ملوکیت آئی تو وہ اصلاح (حال) نہ رہی۔ اس لیے اصل مقصد پر توجہ دینا چاہیے اور جو تفوق اور حکومت خود اس کی ذیل میں آئے وہ تو آئے گا ہی‘ مگر اسے مقصود نہ بنایا جائے۔ تصوف افیم کے درجے میں نہیں بلکہ دین کی روح ہے۔ اللہ کی محبت اور اس پر یقین‘ یہی تو دین کا مقصد ہیں اور انہی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت رائے پوریؒ کی ستائیسویں شب اور خصوصاً انتیسویں شب کی محفل کا بھی تذکرہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں اور آیات دکھلائیں تاکہ ان کا یقین بڑھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں‘ اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں اور اس کا یقین بڑھاتے ہیں۔ رسولوں اور نبیوں سے بڑا کام لینا ہوتا ہے‘ اس لیے انہیں بڑی بڑی نشانیاں دکھلائی جاتی ہیں۔ علم لدنی اللہ کا عطیہ ہے۔ علم کتاب کسبی علم ہے جو خیال کی طاقت سے کام لیتا ہے۔ یہ دونوں علوم اس دنیا کے معاملات سے متعلق ہیں۔ تخت لے آنا‘ کشتی توڑ دینا‘ دیوار بنا دینا وغیرہ۔ انبیاء کا علم عاقبت (آخرت) سے تعلق رکھتا ہے اور ان سے افضل ہے۔

اواخر ۱۹۵۵ء میں اباجی کا پھر انڈیا کا سفر ہوا جس میں شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ہاں بھی خصوصی حاضری ہوئی۔ ایک مجلس میں اباجی نے حضرت سے پوچھا کہ رضوان (کے ارکان) کو جوڑنے والی کون سی چیزیں ہوں؟ ارشاد ہوا کہ اللہ کا ذکر‘ اللہ کی عظمت اور محبت دل میں پیدا کرتا ہے اور یہی دلوں کو جوڑنے والا بن جاتا ہے۔ مغرب کے بعد کی ایک محفل میں اباجی نے حضرت رائے پوریؒ سے رضوان (کالونی) کے لیے بطور مرکز ایک اللہ (ذکر) کرنے والا مردِ حق مانگا تو حضرت نے (بکمالِ شفقت) خود بننے کو فرمایا۔

اواخر ۱۹۵۷ء میں حضرت رائے پوریؒ لاہور تشریف لائے۔ اباجی کی موجودگی کے دوران ایک مجلس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر دیو کے بیٹھنے کے قصے پر حضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید (کی بنیادی تعلیم) کو پکڑو‘ باقی چیزوں کا خیال نہ کرو۔ اس دوران لاہور میں ایک (سرکاری) اسلامی مذاکرہ منعقد ہوا‘ جس میں شامل فلپائن کے دو مندوب حضرت رائے پوریؒ کی ملاقات کے لیے بھی آ گئے۔ حضرت رائے پوریؒ نے بطرزِ تقریر ارشاد فرمایا کہ

(۱) اسلام میں سمجھوتہ نہیں ہو سکتا' مداہنت حرام ہے۔ (۲) مسلمان امن پسند ہیں' کبھی پہل نہیں کی' مخالفین کی زیادتی کا دفاع کرتے ہیں۔ (۳) موجودہ مذاکرہ اسلامی حدود کو توڑنے اور اسلام کو (اہلِ) مغرب کے لیے قابلِ قبول بنانے کے لیے کہیں انہیں کے اشارے پر تو نہیں؟ ۱۹۵۶ء کا رمضان شریف بھی حضرت رائے پوریؒ نے لاہور میں ہی گزارا۔ روزوں سے پہلے ایک مجلس میں کسی صاحب نے سوال کیا کہ شرک کے بعد کس گناہ کا نمبر ہے؟ جواب ملا کہ تکبر۔ مزید ارشاد فرمایا کہ حُبِ جاہ عام مرض ہے اور اس کا علاج اللہ کی محبت اور اس کا ذکر ہے۔ اس کا راستہ شیخ (مرشد) سے قلبی محبت ہے اور اس میں اپنی ہستی مٹانی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک مجلس میں اباجی کے حوالے سے دینی کتب کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا ذکر آیا اور حضرت نے بھی کچھ تائید کی' مگر اباجی نے اس ضمن میں اپنی اعصابی کمزوری کا عذر بیان کیا۔ اباجی کا اپنے اہل وعیال اور دیگر مسائل کے بارے میں حضرت رائے پوریؒ سے دعا کرانے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح اباجی اپنے بچوں اور دیگر اعزہ واقارب کو بھی وقتاً فوقتاً حضرت کی خدمت میں لے جاتے رہتے تھے۔ راقم کو بھی حضرت والا کے قریب بیٹھنے اور پاؤں دابنے کا شرف حاصل ہے۔ جب رمضان المبارک شروع ہوا تو اباجی کا اکثر وقت حضرت کی خدمت ہی میں گزرتا تھا۔ اس دوران کی ایک مجلس میں حضرت رائے پوریؒ کے ارشاد کا ذکر ہے کہ خواب اور کشف سب ظنی ہیں' ان پر تکیہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور محفل کا حوالہ ہے کہ حضرت نے امت میں تفرقہ سے بچنے کی تاکید کی۔ مقلد اور غیر مقلد دونوں حق پر ہیں (یعنی اس بارے میں نزاع سے بچا جائے)۔ ایک صبح کی مجلس میں حضرت رائے پوریؒ نے توجہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ (چیز) تو سب مذاہب اور اقوام میں مشترک ہے۔

۱۹۵۸ء میں حضرت رائے پوری کا قیام لاہور میں قدرے طویل رہا اور آپ نے رمضان المبارک کے ساتھ عید الاضحیٰ بھی یہیں کی۔ طبیعت کا ضعف اور دیگر بیماریاں بھی اس کی ایک وجہ تھیں' جن کا علاج ہوتا رہا۔ تقریباً وسط ۱۹۵۹ء میں اباجی حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کے لیے ہندوستان گئے۔ حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں پہنچ کر اباجی نے اپنی الجھنوں کی دوری نیز اصلاح وتوفیق کے لیے خصوصی درخواست کی۔ انہی صحبتوں میں مختلف اوقات میں اباجی کے حضرت کا خاص (بچا ہوا) تبرک کھانے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ایک موقع پر تخلیہ میں اباجی نے حضرت رائے پوریؒ سے اپنی موجودہ (طبیعت کی) حالت بیان کی کہ دشمنوں کو معاف کر دیا

ہے اور دوستوں کو (اندرونی گہرائی سے) رخصت کر دیا ہے۔ اب طبیعت زمانۂ حال سے نسبتاً آزاد ہو کر ماضی میں چلی گئی ہے اور (اکثر) گزشتہ واقعات دہراتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے تو طبیعت اس سے بھی آزاد ہو جائے اور محض اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہی سرشار ہو جائے۔ حضرت نے اس کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد اباجی حضرت رائے پوریؒ کے ساتھ ہی واپس لاہور آ گئے۔ یہاں ایک شام اباجی نے حضرتؒ سے تخلیہ میں اپنی طبیعت کا حال بیان کیا کہ جسم کمزور ہو گیا ہے اور حضرت کا خیال ہر وقت ہمراہ رہتا ہے۔ عاجز حضرت کی مجلس میں ہوتا ہے یا حضرت عاجز کے دل میں ہوتے ہیں۔ خفگی کے بعد معافیاں مانگتے مانگتے طبیعت عاجز آ گئی ہے اور اب خفگی سے پہلے ہی رک جاتی ہے اور بعد میں معافی کی بجائے پہلے ہی ضبط کر لیتی ہے' بلکہ دوسرے کی تکلیف کا خیال کر کے اس کا غصہ دور کرنے کے لیے ملائمت سے پیش آنا پسند کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دوام بخشے۔ (مزید برآں) لوگوں کے اندازے اور معاملہ میں رائے کا اللہ تعالیٰ نے جو شعور بخشا ہے' اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

حضرت رائے پوریؒ کی ایک شام کی محفل کا ذکر ہے کہ اس میں (ملفوظات کی) کتاب پڑھی جا رہی تھی کہ اللہ کی رضا سے پہلے نبی کی نسبت اور اس سے بھی پہلے شیخ کی توجہ ضروری ہے' اور یہ تب تک حاصل نہیں ہوتی جب تک جملہ مخلوق کا جنازہ نہ پڑھ لیا جائے' یعنی میت کی طرح نہ تو مخلوق کی تذلیل کی جائے۔ نہ اس کا تملق کہ نہ تو اس سے کوئی غرض وابستہ ہوتی ہے اور نہ ہی اسے کوئی سزا دی جاتی ہے' (جملہ مخلوق سے) ایک بے غرض مروت برتی جائے۔ دیگر کوئی امر مقبول نہیں ہوتا' جب تک اس سے دنیا کی وجاہت یا منافع یا قلب کی تعلی اور سرور جدا نہ کر دیا جائے۔ نفس کو تو ہر نیکی سے بیر ہے۔ جس سے نفس خوش ہو' وہ کیسے نیکی ہو سکتی ہے۔ نیک کام کو تو اللہ اٹھا لیتا ہے اور وہ نفس کو بھول جاتا ہے۔ نفس کا علاج یہی ہے کہ (آدمی) ہر کام میں شبہ رکھے کہ کہیں نقص نہ رہ گیا ہو اور کبھی بے فکر نہ ہو اور انجام سے ڈرتا رہے۔ ۱۹۶۱ء میں اباجی رمضان المبارک حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں گزارنے کے لیے رائے پور چلے گئے۔ حضرت کی نحیف حالت کا خاص طور پر ذکر ہے۔ مجلس میں بھی آپ اکثر خاموش رہتے ہیں اور کوئی نہ کوئی کتاب پڑھی جاتی ہے۔ پھر رمضان شریف کے معمولات بھی ہیں۔ ایک دوپہر اباجی نے تخلیہ میں حضرت سے ملاقات کر کے اپنی کیفیت بیان کی کہ تلاوت' نوافل' تسبیحات اور صحبت میں خوب جی لگتا ہے اور طبیعت سرشار ہے۔ باہر بھی جاؤں تو (یہاں کی) کشش

محسوس ہوتی ہے۔ یہ صورت دس برس پہلے آخری حج کے بعد مکّہ مکرّمہ کے قیام میں محسوس ہوتی تھی یا اب ہو رہی ہے۔ دنیا میں کوئی ارمان اور آرزو نہیں رہی اور موت سے کوئی خوف نہیں رہا۔ اللہ کی رضا کی آرزو اور اسی کی رضا پر راضی ہوں۔ وسوسہ بھی اس کیفیت میں حائل نہیں ہوتا۔ اس کیفیت کے استقلال کے لیے دعا کی درخواست کی کہ یہ اطمینان اور سکون قائم رہے۔ آمین! ایک دوسری مجلس میں اباجی اور چند دوسرے پاکستانی ساتھیوں نے حضرت سے سفر پاکستان کی گزارش کی اور وہاں کے لوگوں کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اس پر حضرت نے رمضان المبارک کے بعد اس پر غور کرنے کا فرمایا (ساتھیوں نے اسے پاکستان جانے کی تمہید سمجھا) حضرت رائے پوریؒ کی ایک اور مجلس میں مسجد نبوی اور مرقد نبوی کی زیارت کے سلسلہ میں حیاۃ النبی ﷺ کے موضوع پر مختصر گفتگو ہوئی۔ غالب خیال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی روح ایک خاص حالت میں جسدِ مبارک میں ہی موجود ہے۔ البتہ روح کی توجہ دوسرے عالَم (بالا) کی جانب ہے (اباجی)۔

اوائل ۱۹۶۲ء میں اباجی حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے کے لیے رائے پور (انڈیا) چلے گئے۔ پہلے دن ہی جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو حضرت نے اباجی سے پوچھا کہ نماز پنجگانہ کہاں پڑھیں گے؟ (اس رمضان میں خانقاہ رائے پور میں دو جماعتیں ہوتی تھیں۔ ایک تو حضرت کی ضعیفی اور بیماری کی وجہ سے نزدیکی خُدّام کے ساتھ کمرہ میں اور دوسری عمومی جماعت کھلے چھپر میں۔) اباجی نے والہانہ جواب دیا کہ جہاں حضرت پڑھیں گے۔ حضرت رائے پوری نے بکمالِ شفقت اسے منظور فرمایا۔ چنانچہ سارے روزوں میں یہی معمول چلتا رہا۔ بقول اباجی حضرت رائے پوریؒ اپنی پیرانہ سالی اور ضعف کی وجہ سے روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے سے معذور ہیں۔ آپ کی جسمانی صحت بھی خاص درجے گر چکی ہے اور حواسِ خمسہ بھی کمزور ہو چکے ہیں۔ حضرت کی مجلس میں بھی ملفوظات کی کتاب پڑھی جاتی ہے۔ مجمع خاموشی سے سنتا رہتا ہے۔ حضرتؒ خود بہت کم بات کرتے ہیں اور آواز بھی خاصی کمزور ہو گئی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود حضرت کا ذہن اور فہم' ادراک اور قوتِ فیصلہ پوری طرح کام کرتے ہیں۔ روزانہ اخبار سننا' ڈاک سن کر ہدایات دینا' گردوپیش کا پورا احساس' آنے جانے والوں کا اندازہ اور ان کی باتوں کا پورا جواب دینا وغیرہ' سب معمولات پورے طور پر قائم ہیں۔ گویا حضرت رہنمائی کا فریضہ پورے طور پر سرانجام دے رہے ہیں اور اس حوالے سے کبھی کسی کمی کا احساس نہیں ہوا۔ حضرت رائے پوریؒ کی حیاتِ مبارکہ کے اس آخری رمضان المبارک کی خاص بات یہ ہوئی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور مولانا محمد یوسفؒ

(امیر تبلیغی جماعت) مع خصوصی احباب آپ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور انیسویں تراویح کو حضرت شیخ الحدیثؒ کے کہنے پر مولانا محمد یوسفؒ نے ختم قرآن پاک کی دعا کرائی۔

تراویح اباجان حضرت رائے پوریؒ کے کمرے میں ہی ادا کرتے تھے' لیکن اواخر رمضان شریف میں جب مہمان بڑھ گئے تو اباجی نے کمرے کے پار دہلیز میں دو آدمیوں کی جگہ پر یا پھر پیچھے برآمدے میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں جو کیفیت اباجی پر طاری ہوتی اس کا ذکر خود اباجی کے الفاظ میں یوں ہے: ''حضرت (رائے پوری) کے کمرے کے باہر دہلیز میں دو آدمیوں کی جگہ میں نماز پڑھنے اور اس کا انتظار کرنے میں عجیب کیفیت نصیب ہوئی۔ اصحابِ کہف کا ایک ساتھی بھی چوکھٹ پر تھا مگر نیکوں کی معیت میں ان میں شمار ہو گیا۔ اگر باری تعالیٰ اس سرتاپا گنہگار کو بھی نیکوں کی معیت سے ان کے ساتھ شمار کر لے تو اس ارحم الراحمین کی بندہ نوازی ہے۔ وہ التواب الرحیم ہے اور غافر الذنوب ہے۔ اس کے فضل سے امید ہے کہ اپنی گنہگار ترین مخلوق کو اپنی بخشش اور محبت سے نوازے گا۔ آمین۔''

ایک دوسری جگہ اباجی نے حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ کی موجودہ صحت کا نقشہ یوں کھینچا ہے: ''حضرت اقدس کی جسمانی صحت کا یہ حال ہے کہ کمرہ میں اپنی چارپائی سے ہل نہیں سکتے' بلکہ چارپائی پر بھی ہل نہیں سکتے' اٹھنا' بیٹھنا اور لیٹنا تو درکنار۔ نہ لیٹے ہوئے پہلو بدل سکتے ہیں اور نہ بیٹھے بیٹھے ہی پہلو بدل سکتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں یا گھٹنا اور کہنی تک نہیں ہلا سکتے۔ ان کے اٹھانے کا بھلا کیا مذکور ہے۔ خدام اپنے اندازے اور تجربہ سے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گھٹنا اونچا نیچا یا پاؤں اوپر نیچے کر دیتے ہیں۔ کبھی نیچے تکیہ رکھ دیا' کبھی نکال لیا۔ پاؤں کبھی پھیلا دیے' کبھی سکیڑ دیے۔ یہ سب عارضی حالتیں ہوتی ہیں۔ اکثر حضرت پالتی مارے چہار زانو پیچھے ٹیک لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ دونوں جانب بازوؤں کے نیچے بھی تکیے ہوتے ہیں اور سر کے پیچھے گردن بھی تکیہ پر ٹکی ہوتی ہے۔ بیٹھے بیٹھے زیادہ عرصہ گزر جائے تو خدام پوچھ کر لٹا دیتے ہیں۔ چار آدمی حضرت کو بیٹھے بیٹھے چارپائی سے اٹھا کر رخ بدلتے ہیں اور سر کو سرہانے کی جانب کر کے پشت اور سر چارپائی کے ساتھ لگا دیتے ہیں اور پاؤں پھیلا دیتے ہیں۔ اوپر کپڑا اوڑھا دیا جاتا ہے۔ حضرت نے کبھی کچھ نہیں فرمایا۔ خدام وقت کا اندازہ اور راحت کا خیال رکھتے ہیں اور کبھی پوچھ بھی لیتے ہیں کہ لٹا دیں یا بٹھا دیں۔ کیونکہ وہ معمولات سے خوب واقف ہیں۔ باہر جانا ہو تو چارپائی اٹھا کر باہر لے جاتے ہیں۔''

(جاری ہے)

اسلام کا معاشرتی نظام

بسلسلہ ”نظامِ خلافت: کیا؟ کیوں؟ کیسے؟“ (۶)

شجاع الدین شیخ☆

آج ہمارا موضوع ’’نظام خلافت میں معاشرتی نظام اور اس کا ڈھانچہ‘‘ ہے۔ میرے خیال میں اس موضوع پر بہت کم گفتگو ہوئی ہے۔ معاشرتی حوالے سے دورِ نبویؐ سے لے کر آج تک بہت زیادہ تبدیلیاں اور پیچیدگیاں پیدا نہیں ہوئیں۔

جب ہم معاشرتی نظام اور اس کے ڈھانچے پر بات کرنے چلے ہیں‘ تو پہلے ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ معاشرہ کسے کہتے ہیں۔ معاشرہ عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ عُشر سے بنا ہے۔ عُشر دس کو کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ رمضان کا پہلا‘ دوسرا اور تیسرا عشرہ۔ چنانچہ اس اعتبار سے جہاں کم از کم دس گھرانے مل کر رہنا شروع کر دیں‘ وہاں ایک معاشرہ وجود میں آ جاتا ہے۔ معاشرہ دراصل گھرانوں پر مشتمل ہوتا ہے اور جس طرح ایک عمارت اینٹوں سے بنتی ہے اور ہر اینٹ اپنی جگہ مضبوط ہو تو عمارت مضبوط ہوگی اسی طرح معاشرے کی بنیادی اکائی ایک گھر ہے۔ ہر گھر اپنی جگہ مضبوط ہوگا تو معاشرے کی عمارت مضبوط ہوتی چلی جائے گی۔ دورِ نبویؐ سے لے کر آج تک اسلامی معاشرے میں مرد اور عورت کے درمیان نکاح کے نتیجے میں ایک گھر وجود میں آتا ہے۔ آدم و حوا کا تعلق قائم ہوا تو پہلا گھرانہ وجود میں آیا۔ نسل انسانی یونہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ انسانیت اپنی گمراہی اور رب کی تعلیمات سے دوری کے نتیجے میں اس گندگی کی انتہا پر آ چکی ہے جس کو ہم جنس پرستی کہا جاتا ہے۔ یہ کوئی ارتقائی عمل نہیں۔ یہ گندگی تو قوم لوط میں بھی موجود تھی جس کی تفصیلات قرآن میں بارہا بیان ہوئی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے نشانِ عبرت بنا دیا۔ ان کی بستی کو بلندی پر لے جا کر نیچے دے مارا گیا۔ ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی اور بحرِ مردار میں غرق کر کے ہمیشہ کے لیے ملیامیٹ بھی کر دیا گیا۔ یہ جاہلیت اگر پہلے تھی تو آج بھی موجود ہے۔ لیکن فطری طریقہ سے گھر کا وجود حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک نکاح کے حوالے سے یکساں ہے۔

☆ امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی

قبائلی زندگی دورِ نبویؐ میں بھی تھی اور پہلے کے ادوار میں بھی لوگ مل جل کر رہتے تھے۔ اس وقت بھی معاشرے تھے‘ آج بھی معاشرے ہیں۔ پچھلے زمانے میں بھی مرد اور عورتیں تھیں‘ آج بھی ہیں۔ پچھلے زمانے میں بھی بچے تھے‘ آج بھی ہیں۔ اس وقت بھی بہن بھائیوں کے رشتے ناطے تھے‘ آج بھی ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا بہت خوبصورت تجزیہ ہے کہ سیاسی سطح پر بہت کچھ ارتقاء ہوا ہے۔ آج کے انسان نے بہت سے نظام بنا لیے ہیں۔ مغرب نے اس ارتقاء کے نتیجے میں کچھ ادارے تو بنائے ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ وحی الٰہی سے عاری ہونے کی بنا پر فی نفسہٖ انسانیت کے لیے خیر کا باعث نہیں بن پائے۔ اس ضمن میں مقننہ‘ انتظامیہ اور عدلیہ وغیرہ وجود میں آئے ہیں۔ سیاسی نظام میں بہت کچھ ارتقاء ہونا تھا اس لیے اسلام نے جو تعلیم دی اس میں بہت لچک رکھی گئی۔ سیاسی سطح کی تعلیمات کے ضمن میں اصولی اور بنیادی ہدایات تو دے دیں‘ مگر وہ چند ہیں۔ ان کی تعداد بمشکل پچاس بنے گی۔

معاشی سطح پر بہت کچھ ارتقاء ہوا۔ تجارت کے نئے نئے طریقے سامنے آئے۔ آج بات ملٹی نیشنل کمپنیوں تک پہنچ گئی ہے۔ پہلے ٹھیلا لگا کر کمایا اور گھر چلے گئے۔ اب ہزاروں لوگوں کا پیسہ ایک جگہ لگا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں معاشی سطح کی تعلیمات کے حوالے سے ساٹھ ستر آیات ہوں گی۔ حکمت یہ تھی کہ ابھی بہت کچھ ہونا تھا۔ اصولی ہدایات دے دیں تاکہ معاملات میں وقت کے لحاظ سے لچک رہے۔ لیکن معاشرتی اور ایک گھر کی سطح پر زیادہ تبدیلیوں کا امکان نہیں‘ اس لیے یہاں سب سے زیادہ باریک بینی کے ساتھ تعلیمات دی گئیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ البقرۃ کے رکوع ۲۸ تا ۳۱‘ سورۃ النساء میں شروع کی ۴۰‘ ۴۵ آیات میں اکثر باتیں خاندانی زندگی سے متعلق بیان ہوئیں اور وراثت کے احکامات بھی آ گئے۔ سورۃ النور‘ سورۃ الاحزاب‘ سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں عائلی زندگی کے بارے میں ہدایات دی گئیں۔ گھر سے آگے بڑھیں تو معاشرہ کی بابت ہدایات سورۃ البقرہ‘ سورۃ الانعام‘ سورۂ بنی اسرائیل میں وارد ہوئی ہیں۔ یہاں کوئی لچک نہیں ہے۔ آج شوہر بیوی کا نکاح ہوا‘ کل اولاد ہوگی۔ وہی ماں باپ بنیں گے۔ اس میں تو کوئی ارتقاء نہیں ہوا۔ قرآن چاہتا ہے کہ گھر اور معاشرہ مضبوط ترین ہوتا چلا جائے۔ معیشت اور سیاست تو تب وجود میں آئے گی جب گھرانہ اور معاشرہ موجود ہوگا۔ مغرب کو دیکھ لیجیے‘ وہاں کا خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ کسی زمانے میں امریکہ روس کو کہتا تھا کہ تم نے ہمیں میزائل مارا تو ہم اسے فضا ہی میں تباہ کر دیں گے‘ ہمارے پاس اتنی اعلیٰ ٹیکنالوجی موجود ہے۔ تو کسی نے کہا کہ مستقبل کی خلائی جنگ (space war) کی تیاری تو کر رہے ہو‘ اگر حال کا ستیاناس ہو گیا تو یہ مستقبل کی تیاری دھری رہ جائے گی۔ یہ وہ تضاد ہے جس سے آج مغرب گزر رہا ہے۔ مشرق والوں نے بھی مغرب کے اثرات قبول کرنے شروع

کیے تو وہ چیزیں ہمارے معاشرے میں بھی آنے لگیں۔ قرآن (سورۃ البقرۃ‘ آیت ۱۸۷ میں) شوہر اور بیوی کے قرب کی انتہا کو بیان کرنے کے لیے خوبصورت جملہ کہتا ہے کہ ’’وہ (بیویاں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم (شوہر) ان کے لیے لباس ہو‘‘۔ انسان کے جسم سے قریب ترین شے لباس ہوتی ہے۔ لباس انسان کو موسم کے اثرات سے بچاتا ہے‘ اس کے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے۔ یہ ہمارے پوشیدہ اعضاء کو پوشیدہ رکھنے اور ہمیں راحت پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ یہ ہمارے زینت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ لباس پر دھبہ لگ جائے تو کسی کو بتایا نہیں جاتا‘ اسے خاموشی سے صاف کر لیا جاتا ہے۔ لباس انسان اپنی حیثیت کے مطابق پہنتا ہے۔ اللہ ایک گھر کو اتنا جوڑنا چاہتے ہیں کہ اس نے تین مواقع پر جھوٹ بولنا جائز قرار دیا ہے۔ جنگ کے موقع پر‘ صلح کرانے میں‘ شوہر اور بیوی کے درمیان محبت اور اس کے اظہار کو بڑھانے کے لیے جھوٹ بولنا تاکہ یہ رشتہ مضبوط ہو‘ قربت میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ رشتہ اور گھر مضبوط ہو‘ اس کے نتیجے میں معاشرہ مضبوط ہو۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان روزانہ اپنا دربار سمندر پر لگاتا ہے۔ اس کے کارندے اسے آ کر بتاتے ہیں کہ انہوں نے یہ یہ کیا۔ فلاں کو برائی میں ملوث کر دیا۔ فلاں کو نیکی سے روک دیا۔ شیطان کہتا ہے کہ ٹھیک کیا۔ ایک آ کر یہ کہتا ہے کہ میں نے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دی تو شیطان کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے گلے لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے میری جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ شیطان چاہتا ہے کہ گھر ٹوٹے‘ شوہر اور بیوی میں بگاڑ پیدا ہو اور معاشرہ تباہی کا شکار ہو۔ قرآن میں (سورۃ المائدۃ‘ آیت ۹۱) فرمایا گیا کہ ’’شیطان تو چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا ہو‘‘۔

نظام خلافت میں معاشرتی نظام کی بات ہم کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے ہمارے سامنے بہت سے نکات آئیں گے۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں کہ جن کے لیے باہر سے کسی قانون کے ٹھونسنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ باتیں وہ ہیں جن پر عملدرآمد افراد کے اپنے اختیار میں بھی ہے۔ اس کے لیے کسی نظام کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ نظام مددومعاون ضرور ہو گا ان جگہوں پر جہاں قانونی پہلو سامنے آئے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنے خطباتِ خلافت میں معاشرتی نظام پر گفتگو کے حوالے سے تین باتوں کو نمایاں کیا ہے۔ پہلا کامل مساوات جس میں ایک دو استثنا آ جائیں گے۔ دوسرا خاندان کی مضبوطی اور تیسرا شرم وحیا کی حفاظت۔ یہ تین مقاصد ہیں جو نظام خلافت میں اللہ کو معاشرتی سطح پر مطلوب ہیں۔ اس میں اور بھی بہت سے پہلو ہیں‘ جیسے زنا کا سدِّباب‘ جس کے نتیجے میں گھر مضبوط ہو گا۔ زنا عام ہو جائے‘ بے حیائی اور بے شرمی کا دور دورہ ہو تو گھر اور معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو جائے گا۔

آیئے اب ان تین مقاصد کو تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن (سورۃ الحجرات‘ آیت ۱۳) کہتا ہے کہ ’’اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں خاندانوں قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرو۔ اللہ کی نگاہ میں تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہو‘‘۔ یہ آیت عالمی بھائی چارے اور عالمی سطح پر معاشرے کو قائم کرنے کی بنیاد ہے۔ سب کا خالق ایک اللہ ہے جس نے ہمیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ سب کے اوّلین والدین آدم وحوا علیہما السلام ہیں۔ اس ناطے سارے انسان برابر ہیں۔ ورنہ رنگ‘ نسل‘ زبان‘ علاقہ حتیٰ کہ مذہب بھی سب کا ایک نہیں ہے۔ اس بنیاد پر ایک عالمی معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ جس کی یہ دو بنیادیں عطا کی گئیں کہ سب کا خالق اللہ اور سب کے جدامجد آدم وحوا ہیں۔ اللہ کی نگاہ میں سب سے بلند مرتبہ سب سے زیادہ تقویٰ کے حامل کا ہے۔ یہی بات حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ ’’کسی گورے کو کسی کالے پر‘ کسی کالے کو کسی گورے پر‘ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں۔‘‘

آپ غور کریں کہ امریکہ جیسا ملک جو آج بھی اپنے آپ کو حقوق کا چیمپئن قرار دیتا ہے‘ آج تک وہاں سیکولر ریاست کا دعویٰ ہونے کے باوجود گورے اور کالے کا فرق ختم نہیں ہو سکا۔ بھارت جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور اسے بھی سیکولر ریاست ہونے کا دعویٰ ہے‘ آج بھی وہاں برہمن اور شودر کا فرق ختم نہیں ہو سکا۔ اسلام اس کے برعکس فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔ ایک شخص انگریز کے گھر میں گورا پیدا ہوا تو اس بنیاد پر اس کو کوئی فضیلت نہیں کیونکہ انگریز کے گھر میں پیدا ہونا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک شخص کسی حبشی کے گھر میں کالا پیدا ہوا‘ کالا ہونے میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے مگر اللہ کے ہاں ان کا مقام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے قدموں کی آواز معراج کے موقع پر جنت میں سنتے ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی حضرت بلالؓ کے سامنے آنے پر انہیں ’’سیدنا بلال‘‘ کہہ کر مخاطب فرماتے۔ ان کے پاس خوبصورتی‘ مال‘ اونچا خاندان اور دنیوی جاہ وحشمت نہیں لیکن ان کا مقام اتنا بلند ہے۔ ابولہب خوبصورت‘ مالدار‘ اونچے خاندان سے تعلق رکھنے والا‘ قریش کا سردار بھی ہے مگر قرآنی فیصلہ ہے کہ اس کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو جائے‘ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے‘ کیونکہ اس میں تقویٰ نہیں۔ یہ ہے وہ معیار جو اسلام عطا کرتا ہے۔ اگر آج ہم مسلمانوں نے دولت کو معیار بنایا تو یہ ہمارا قصور ہے۔ اگر آج ہم پیسے اور اختیار والے کو اس کے پیسے اور اختیار کی بنیاد پر رتبہ دیتے ہیں تو ہم غلط ہیں۔ اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی‘ اسلام کی تعلیم وہ ہے جو ہم نماز کی صف میں دیکھتے ہیں کہ اگر

ایک بہت بڑے گریڈ کا افسر ہے تو اس کے پہلو میں اس کا ڈرائیور بھی کھڑا ہے۔ اسلام میں سب برابر ہیں۔ اسلامی معاشرے میں کامل مساوات ہمارے دین کا تقاضا ہے۔ البتہ انتظامی اعتبار سے تقسیم ہوگی۔ مثلاً نظام خلافت کے تحت معاشرہ قائم ہوگیا تو کیا مسلمان اور غیر مسلم بالکل برابر ہوں گے؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔ نظام خلافت قرآن وسنت کی تعلیمات کے تحت چلے گا۔ غیر مسلم تو قرآن وسنت کو مانتا ہی نہیں‘ اس کا تو اس پر ایمان ہی نہیں‘ تو کیسے ممکن ہے کہ نظام خلافت کے معاملات میں جہاں کتاب وسنت کی رہنمائی لینی ہے‘ ایک غیر مسلم کا کوئی کردار ہوسکتا ہو۔ البتہ کوئی غیر مسلم کارخانہ قائم کرنا چاہے یا ملازمت کرے‘ کس نے منع کیا ہے۔ خلافت کے کچھ انتظامی امور بھی اس کے حوالے کیے جاسکتے ہیں۔ اسے اسلامی حکومت کی بالادستی قبول کرنا ہوگی اور وہ ذمی بن کر رہے گا۔ اس کی جان‘ مال‘ عزت وآبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

ایک اور فرق مرد وعورت کے درمیان آئے گا۔ ان میں ایک اعتبار سے کامل مساوات ہوگی۔ قرآن (سورۃ الاحزاب‘ آیت ۳۵) کہتا ہے:

’’مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں‘ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں‘ فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں‘ راست باز مرد اور راست باز عورتیں‘ صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں‘ خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں‘ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں‘ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں‘ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں‘ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں‘ اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔‘‘

اللہ کی رضا کے حصول اور جنت میں جانے کی کوششیں کرنا‘ روحانی ترقی کرنا‘ اخلاق کی درستگی کرنا‘ علم وفضل میں آگے بڑھنا‘ ان سارے معاملات کے لیے مردوں اور عورتوں کے لیے میدان کھلا ہوا ہے۔ دائرہ کار کے حساب سے فرق ہوجاتا ہے۔ صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔ نماز مسلمان مرد اور عورت دونوں ادا کریں گے۔ مرد کی افضل نماز جماعت کے ساتھ‘ عورت کی افضل نماز گھر میں ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بڑی پیاری مثال دی کہ آج کروڑوں مسلمان ہوں گے جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کے مقام پر رشک کرتے ہوں گے۔ وہ خاتون ہی تو تھیں۔ اب ذرا ان کی فضیلت سنئے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے کہا کہ اے رسول اللہ ﷺ! یہ خدیجۃ الکبریٰؓ آپ کے پاس آرہی ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ اللہ نے سلام بھیجا ہے۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کو سلام کہلوانے کے لیے زمین پر اللہ جبرئیلؑ کو بھیجتا

ہے۔ ان کا کیا مقام و مرتبہ ہوگا؟ ممکن ہے کہ ایک بیوی اپنی محنت کے نتیجے میں اللہ کے فضل سے زیادہ باعمل ہو اور اسے زیادہ بلند درجات ملیں‘ شوہر پیچھے رہ جائے۔ اور ممکن ہے کہ شوہر آگے بڑھ جائے۔ دونوں کے لیے میدان بالکل کھلا ہوا ہے۔ مگر جب انتظامی معاملہ آئے گا اور مرد وعورت شوہر اور بیوی ہوں گے تو خاندان کا ایک ادارہ وجود میں آجائے گا۔ انتظامی مسائل آنے پر کسی ایک کو اوپر رکھنا پڑے گا۔ اس صورت میں شوہر کو قوام بنایا گیا۔ سورۃ النساء (آیت ۳۴) میں فرمایا گیا کہ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ ’’مرد عورتوں پر حاکم ہیں‘‘۔ کسی مرد کو خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں اور کسی خاتون کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں ہر ادارے میں ایک ہی فرد بااختیار ہوتا ہے۔ اس کائنات پر اختیار صرف اللہ کا ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ میں ایک ہوں۔ اور کہتا ہے کہ اگر دو خدا ہوتے تو نظام درہم برہم ہوجاتا اور کائنات ختم ہوجاتی۔ ایک اسکول میں استاد بہت ہوں گے لیکن ہیڈ ماسٹر ایک ہی ہوگا۔ ایک ملک میں وزیر بہت ہوں گے لیکن وزیراعظم ایک ہی ہوگا۔ تبھی یہ نظام چل سکے گا۔ ایک مسجد میں مقتدی بہت ہوں گے لیکن امام ایک ہی ہوگا۔ دو کو امام کے طور پر کھڑا کر دیا جائے تو نماز نہیں ہوسکتی۔ سامعین بہت سارے ہوں گے لیکن مقرر ایک ہوگا۔ آپ میں سے کوئی میرے ساتھ تقریر کرنا شروع کردے تو پھر پروگرام نہیں ہوسکے گا۔ فطری بات ہے کہ مرد کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی صلاحیت زیادہ دی‘ مشقت کے لائق زیادہ بنایا‘ عورت کو فطرتاً کمزور پیدا کیا گیا۔ مگر ان کی گھر کی ذمہ داری زیادہ اہم ہے۔ عام طور پر ان باتوں پر ردعمل یہ آتا ہے کہ یہ ساری دقیانوسی باتیں ہیں۔ لوگوں نے تو نعوذ باللہ رسولوں کو بھی مجنوں کہا۔ ہماری کیا حیثیت ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا‘ اس لیے کہ بعض کو بعض پر انتظامی معاملات میں فضیلت دی۔ اس لیے کہ وہ خرچ کرتے ہیں۔ نکاح مرد اور عورت دونوں کی ضرورت ہے‘ شرعی تعلیم کے مطابق مہر شوہر دیتا ہے۔ اولاد دونوں کی ہوگی مگر کفالت کے لیے اخراجات کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ گھر دونوں کا ہے لیکن اخراجات کا ذمہ دار شوہر ہے۔ اس اعتبار سے ذمہ داریاں شوہر پر رکھی گئیں تو پھر انتظامی معاملات کے اعتبار سے اسے ایک درجہ اوپر رکھا گیا۔ آگے نیک بیویوں کا ذکر آتا ہے کہ نیک بیویاں اپنے شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں عفت ومال کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔

ایک اور خوبصورت بات جو ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے کہی ہے کہ دنیا کے اعتبار سے مسلم اور غیر مسلم کا جو فرق کیا گیا‘ یہ بھی عارضی ہے۔ ایک غیر مسلم اگر کلمۂ شہادت پڑھ لے تو وہ مسلمان ہوجائے گا‘ ہمارا بھائی بن جائے گا۔ جبکہ کالا کبھی گورا اور شودر کبھی برہمن بن ہی نہیں سکتا۔ مسلمان کا خاتمہ ایمان پر ہے۔ ایک مسلمان بھی تو مرتد ہوسکتا ہے۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین! اصل مسئلہ خاتمے کا ہے۔

دوسری بات خاندان کی مضبوطی ہے۔ آج مغرب اسی بات کو رو رہا ہے۔ جاپان میں بوڑھوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ ہر پانچ بوڑھوں پر اب ایک نوجوان بچا ہے۔ ان کی اگلی نسل کی کیا صورت ہوگی‘ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ فرانس میں بوڑھوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ۱۹۴۵ء میں جنگی ضروریات میں جب افرادی قوت کی کمی ہوئی تو وہاں بچے پیدا کرنے پر انعامات کا اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد پھر فطرت کے خلاف چل پڑے تو اب حالت یہ ہے کہ بوڑھوں کی تعداد وہاں سب سے زیادہ ہو چکی۔ امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں اولڈ ہومز تو عام ہیں‘ مگر معاف کیجیے گا کہ چند سال قبل تک ہم یورپ اور امریکہ کی مثالیں دیا کرتے تھے‘ آج ہمیں کراچی کی مثال دینا پڑتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ خاندان کا ادارہ ختم ہوتا چلا جا رہا ہے جب کہ پورے معاشرے کی بنیاد گھر کی مضبوطی پر ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ جیو کے ایک پروگرام میں تھے اور حسن نثار صاحب بھی وہاں پر موجود تھے۔ بہت بڑے کالم نویس ہیں۔ پروگرام کے آخری پانچ منٹ میں تین منٹ حسن نثار صاحب نے بات کی کہ اجی آپ لوگ کیا بات کرتے ہیں‘ امریکہ کے پاس بڑی ٹیکنالوجی ہے‘ بڑے وسائل ہیں اور بڑی طاقت ہے‘ ہم مسلمانوں کے پاس کیا ہے؟ ہم تو گئے گزرے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انیق احمد صاحب اینکر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب ایک آدھ منٹ رہ گیا ہے‘ آپ کچھ ارشاد فرمائیے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ چونکہ آخری منٹ ہے‘ اس لیے میں یہی بات کہہ سکتا ہوں کہ بل کلنٹن نے کہا تھا کہ ’’عنقریب ہماری قوم کی عظیم اکثریت حرام زادوں پر مشتمل ہوگی۔ یہ ان کی تہذیب ہے‘‘۔ اور پروگرام ختم ہو گیا۔ اس کے آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بات کہ ٹیکنالوجی کو خلائی جنگ تک لے گئے ہیں لیکن زمین پر حال یہ ہے۔ اگر زمین والے ہی صحیح نہ ہوں‘ خاندان کا ادارہ نہ بچے‘ معاشرہ ہی نہ بچے تو کہاں کی ٹیکنالوجی‘ کس کام کی یہ ترقی‘ کس کام کی مستقبل کی منصوبہ بندی۔ یہ ہے وہ تضاد جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں۔ اللہ ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین!

دوسرا مقصد نظام خلافت کے تحت اسلامی معاشرے میں گھر کے نظام کی مضبوطی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا‘ معاشرتی سطح پر بہت زیادہ قانون سازی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جو افراد اپنے طور پر بھی شروع کرنا چاہیں تو اس پر عمل درآمد کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے دینی اور اخلاقی تعلیم بہت ہے۔ فکر آخرت کو سامنے رکھ کر اس میں ترقی کی جا سکتی ہے۔ رسالت مآب ﷺ کی بہت ساری احادیث مبارکہ میں سے چند باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ایک تو آج باہمی محبت بڑھانے کے لیے مبالغہ آرائی بھی کی جاتی ہے۔ آج ہمارے کارپوریٹ سیکٹر میں بہت تعریفیں ہوتی ہیں۔ میڈیا پر بھی جھوٹی تعریفیں بہت کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر

اور بیوی میں محبت بڑھانے کے لیے مبالغہ آرائی بھی کی جا سکتی ہے تاکہ یہ رشتہ مضبوط ہو۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہترین ہے‘ اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنے اہل یعنی گھر والوں کے لیے بہترین ہوں‘‘۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بھی فرمایا کہ اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اللہ کا نام لے کر تم نے ان سے تعلق قائم کیا۔ کل اس کے سامنے ان کے بارے میں جوابدہی کرنی پڑے گی۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کو کھلاتے ہو اس سے تمہیں صدقہ کا ثواب ملے گا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے کوئی شوہر اپنی بیوی سے بغض نہ رکھے۔ اگر بیوی کی کوئی ایک ادا اسے پسند نہیں آتی تو تلاش کرے کوئی دوسری ادا پسند آ ہی جائے گی اور وہ اس کی طرف مائل ہو جائے گا۔ ایک شوہر کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس کی بیوی نے اپنے والدین‘ بہن بھائی‘ ناز و نعم سب کو چھوڑ کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا‘ اس سے بڑھ کر اس کی کیا خوبی اور قربانی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بیوی سے اس کا شوہر راضی ہو جائے کہ وہ اس کی تابعدار ہے‘ وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ ایک بیوی کے ذمے ہے کہ شوہر کے گھر‘ اس کے بستر‘ اس کے مال اور اس کی اولاد کی حفاظت کرے۔ جس کا گھر میں آنا اس کے شوہر کو پسند نہ ہو‘ اس کو آنے نہ دے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کی تابعدار نہیں ہے تو اس کی عبادات اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوں گی۔ اس طرح کی اور بہت ساری ہدایات رسالت مآب ﷺ نے زوجین کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے دی ہیں۔

وہ جو ’’قوام‘‘ والی بات تھی اس کو بھی سمجھ لیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ گھر ایک ادارہ ہے اور ہر ادارے کا ایک ہی سربراہ ہوتا ہے تبھی اس ادارے کے معاملات بخوبی چلیں گے۔ اس تناظر میں شوہر کو قوام کی پوزیشن دی۔ لفظ قوام کا ترجمہ ’’حاکم‘‘ ہے۔ حاکم کا کام حکم چلانا ہے یا قوم کی خدمت کرنا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کا سردار اس کا خادم ہوتا ہے۔ اگر مرد کو قوام بنایا تو وہ خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوں‘ یہ ایک بھاری ذمہ داری ہے۔ بخاری کی حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان‘ ذمہ دار ہے اور اس کے تحت جو لوگ ہوں گے اس کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا۔ شوہر کو بیوی کے متعلق جواب دینا ہوگا کہ بیوی کی مادی اور روحانی ضروریات پوری کیں یا نہیں؟ اللہ کے سامنے اس کی جوابدہی ہوگی۔ مرد کا معاملہ یہ ہے کہ اسے اپنے بارے میں بھی جواب دینا ہے اور اپنی بیوی اور اولاد کے بارے میں بھی جواب دینا ہے۔ قرآن میں (سورۃ التحریم‘ آیت ۶) ارشاد ہوا کہ ’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ‘‘۔ مرد کو اگر قوام بنایا گیا تو بیوی کو زیادہ تناؤ کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ ایک خاتون نے بڑی

پیاری بات کہی کہ ذرا سوچو کہ تمہیں گھر سے باہر کے بکھیڑوں سے نجات دی، تم گھر میں بیٹھو۔ یہ باہر محنت کرے گا، اپنا پسینہ بہائے گا، مشقتیں کرے گا اور تمہاری ضروریات پوری کرے گا۔ بتایئے کہ اس میں عورت کی ذلت ہے یا اس کی تکریم ہے؟ جس مغرب نے عورت کو ایک سجاوٹ کی چیز بنا دیا، آج اس عورت کی مغرب میں کیا حیثیت ہے۔ جس طرح ٹشو پیپر استعمال کر کے پھینک دیا جاتا ہے، وہی رویہ وہاں عورتوں کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔ گورباچوف نے لکھا کہ ہمیں ایک تحریک چلانی چاہیے کہ جس عورت کو گھر سے باہر نکال کر ہم نے سڑک پر کھڑا کیا، اسے کس طرح اس کے اصل گھر میں واپس لایا جائے۔ بش نے قوم سے کہا کہ خدا کے لیے شادیاں کرو، گھروں کو بساؤ۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کی تہذیب کس سطح پر جا چکی ہے۔

مرد کی قوامیت کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ مرد کو طلاق کا اختیار اور عورت کو خلع حاصل کرنے کا آپشن دیا گیا ہے تاکہ نظام کو برقرار رکھا جائے۔ یہ جو مرد آج بیک وقت تین طلاق دے کر عورت کو فارغ کر دیتے ہیں، اس کے بارے میں علماء احناف بھی یہ کہتے ہیں کہ حکومت اس حرکت کے مرتکب کو سزا دے۔ احناف اور دیگر مسالک کے فقہاء کے نزدیک طلاق تو ہو جاتی ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ شریعت کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، ان کو کوڑے لگائے جائیں۔ مرد اور عورت دونوں کو چاہیے کہ وہ گھر کے ادارے کو مضبوط رکھنے کی کوشش کریں۔ مغرب میں طلاق کے لیے یہ شرط لگائی گئی کہ پہلے بیوی کی بدکاری کا ثبوت پیش کرو۔ عورت کو طلاق کی صورت میں مرد کی آدھی جائیداد منتقل ہو جاتی ہے۔ اب بتائیں کہ کسی کا دماغ خراب ہے کہ وہ شادی کرے۔ یہ جو وہاں عورت اور مرد کی یکساں برابری کی بات کی گئی تو خاندان کا ادارہ ہی ختم ہو کر رہ گیا۔ کسی ایک کو تابعدار نہ رکھا جائے تو ادارہ نہیں چل سکتا۔ مقتدی مقتدی نہ رہے تو امام کی امامت کس کام کی؟

خاندان وجود میں آ گیا۔ شوہر بیوی کے ساتھ نکاح کے نتیجے میں اولاد ہو گئی۔ دونوں والدین بن گئے۔ اولاد ایک سے زیادہ ہوں تو بہن بھائی بن گئے۔ یہ تین پہلو (dimensions) اور آ گئے۔ شریعت کی تعلیم میں والدین کا کیا مقام ہے، یہ سب کے علم میں ہے۔ صرف مغرب والے نہیں ہمارے لوگ بھی اب روتے ہیں۔ ہم تو پہلے مغرب کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہاں اولڈ ہومز بنے ہوئے ہیں۔ کراچی کے ایک ڈاکٹر نیویارک گئے۔ گھومنے نکلے تو کسی اولڈ ہوم میں پہنچ گئے۔ ایک بوڑھی عورت کو میک اپ کرتے دیکھا۔ وہ بڑے پریشان ہوئے کہ بوڑھی عورت تیار ہو کر کہاں جا رہی ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے گھوم کر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بوڑھی عورت اب تک تیاری کر رہی ہے۔ متعلقہ ملازم سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ اُس نے بتایا کہ اس کا بیٹا سال میں ایک بار تین گھنٹے کی پرواز کے بعد آتا ہے اور دوپہر کا کھانا اس کے ساتھ کھاتا ہے۔ آج وہی دن

ہے۔ اس کو خوشی ہوتی ہے کہ سال میں ایک دن اس کا بیٹا اس کے ساتھ کھانا کھانے آتا ہے۔ یورپ کی ایک ماں کہتی ہے کہ میں ایک خوش قسمت ترین ماں ہوں کہ میری بیٹی مجھے کرسمس پر یاد کرتی ہے۔ وہ لوگ اولڈ ہومز میں روتے ہیں۔ اب ہمارے معاشرے میں یہ سب کچھ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ ایک مرتبہ مجھے ایدھی ہوم میں جانے کا اتفاق ہوا۔ بارہ، پندرہ سال سے مائیں وہاں پڑی ہوئی ہیں۔ ان کی اولاد انہیں وہاں چھوڑ کر چلی گئی۔ اگر کچھ کم سنگدل ہیں تو انہیں ان اولڈ ہومز میں ڈالتے ہیں جہاں وہ اپنے والدین کی خدمت کے لیے رقم ادا کر سکتے ہیں۔ یہ میں کراچی کی بات کر رہا ہوں نیویارک کی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مغرب میں مدرز اور فادرز ڈے سال میں ایک مرتبہ مناتے ہیں تاکہ والدین کو یاد رکھ سکیں۔

ہمارا دین کہتا ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ تباہ و برباد ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچیں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت نہ کما سکے۔ جبریل امینؑ بددعا کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ آمین کہتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۲۳، ۲۴) میں ارشاد ہوا: ''تمہارے رب کا فیصلہ ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ ان میں سے ایک یا وہ دونوں اگر بڑھاپے کو پہنچیں تو انہیں اف بھی نہ کہنا''۔ اُف عربی کا لفظ ہے۔ اردو میں ''ہوں'' بنے گا۔ ہمیں جب تکلیف ہوتی ہے تو ہم اُف کہتے ہیں۔ یہ اس اُف کی بات نہیں ہو رہی۔ یہ جو ماں باپ کے سامنے منہ بناتے ہیں، یہ بھی نہ کرنا۔ ''اور نہ ان کو جھڑکنا'' بلکہ ان سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ اور ان کے سامنے اپنے بازو عاجزی اور نیاز مندی سے جھکائے رکھنا۔'' اتنا کرنے کے بعد بھی تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے والدین کا حق ادا کر دیا۔ کوئی والدین کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ 'اللہ سے دعا کرنا کہ اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما اس طرح کہ جس طرح میں چھوٹا تھا تو انہوں نے شفقت کے ساتھ مجھے پال پوس کر بڑا کیا۔''

ایدھی ہوم یا اولڈ ہوم ماں باپ کا ٹھکانا نہیں ہو سکتا۔ یہ مغرب کی تہذیب ہے جس کا ہمیں اندازہ نہیں۔ میرے والد صاحب کو ۱۹۹۵ء میں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ وہ کارڈیو ویسکولر میں داخل تھے۔ پتہ چلا کہ ایک بوڑھی اماں لیٹی ہوئی ہیں، چار جوان بیٹے کراچی میں موجود ہیں لیکن ان کی عیادت کو نہیں آتے۔ ہم آج اس سطح پر آ گئے ہیں۔ ہم نے مغرب سے یہ کچھ لے لیا ہے۔ اس سے ٹیکنالوجی لے لیتے، کسی نے آپ کو منع نہیں کیا، نہ لیپ ٹاپ لینے کو کسی نے منع کیا ہے۔ لیکن کیا ان کی بے خدا تہذیب لینا ضروری ہے؟ ان کی عریانی، فحاشی، بے ادبی، بدتمیزی، دین بیزاری بھی لینا کیا لازم ہے؟

مغرب میں تو اب باپ کا پتا ہی نہیں‘ سو فارم سے والد کا کالم ہی نکال دیا گیا‘ ماں کا نام لکھواتے ہیں۔ نکاح کے بندھن کے بغیر پیدا ہونے والے! کہا جاتا ہے کہ پچاس فیصد امریکی آرمی اسی قسم کی نسل پر مشتمل ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ کا ایک ممبر ہم جنس پرستی میں مبتلا ہو گیا تو انہوں نے پوری قوم کے لیے بل پاس کر دیا۔ اولاد پر خرچ اُس وقت کیا جائے گا جب اپنی ہونے کا پورا یقین ہو۔ ان کے ہاں تو نتائج آ چکے۔ اللہ ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین! ہمارا معاشرہ بھی اس ڈگر پر جا رہا ہے۔ باپ کو اعتبار ہی نہ ہو تو وہ اولاد پر کیوں خرچ کرے گا؟ وہ اس تذبذب میں ہوگا کہ پتا نہیں کہ یہ اس کی اولاد ہے یا نہیں۔ ہمارے دین کی تعلیم تو یہ ہے کہ وہ لقمہ جو اولاد کو کھلاتے ہو وہ بھی صدقہ ہے‘ اس کا بھی ثواب ملے گا۔ ماں باپ اگر اپنے آپ کو کھپائیں تو ان کے ہاتھوں میں شفقت کے ساتھ جو اولاد پروان چڑھے گی‘ اس میں کل احساس ذمہ داری بھی ہوگی۔ وہ روبوٹ نہیں ہوگی۔ وہ معاشرے کے لیے بار آور ہوگی‘ کیونکہ وہ ذمہ دار شہری بنے گی۔ مغرب میں اب بچے روبوٹ بن رہے ہیں۔ چین جانے والی ایک جماعت نے بتایا کہ ایک ہفتہ ہمیں یہ احساس رہا کہ ہم انسانوں میں گئے ہیں یا مشینوں میں؟ جذبات نام کی کوئی شے نہیں‘ روبوٹ بنے ہوئے ہیں۔ وہ بچے جو بن باپ کی فیملی میں ہوتے ہیں ان میں خودکشیاں بھی زیادہ ہیں‘ منشیات کا استعمال بھی زیادہ ہے‘ مجرمانہ سرگرمیاں بھی زیادہ ہیں۔ اس اولاد کی جہاں مادی ضروریات پورا کرنے‘ اس کی اخلاقی تربیت کرنے کی ذمہ داری والدین پر ہے‘ وہاں جہنم کی آگ سے بچانا بھی ماں باپ کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اسی اولاد میں بہن بھائی ہوں گے جو رحمی رشتے دار ہوں گے۔ پھر ان کے چچا‘ ماموں اور بھی دیگر رشتے دار ہوں گے جنہیں محرم کہا جائے گا‘ وہ جن سے کبھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس طرح خاندان کو اور تحفظ دیا جا رہا ہے۔ رحمی رشتوں کے حوالے سے نکاح کے خطبے میں سورۃ النساء کی پہلی آیت پڑھی جاتی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو کوئی رحمی رشتوں کو جوڑے گا‘ میں بھی اسے جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا‘ میں اسے توڑ کر رکھ دوں گا۔ اس قدر تاکید ہے اور آج بھائی بھائی کو قتل کرتا ہے‘ لوٹتا ہے۔ چچا نے بھتیجے کی جائیداد ہڑپ کر لی ہے۔ یہ تو ہم ہیں جو ظلم کر رہے ہیں۔ شریعت کہتی ہے کہ رحمی رشتے داروں کے دکھ درد میں شریک ہونا تمہارا فرض ہے۔ زوجین کے رشتوں میاں بیوی‘ اولاد کے علاوہ خاندان کے دیگر رشتوں کو بھی جوڑ دیا گیا تا کہ خاندان کو تحفظ ملے۔ خاندان مضبوط ہو تو معاشرہ بھی مضبوط ہوگا۔

اب آیئے تیسری بات کی طرف چلتے ہیں۔ وہ ہے عفت وعصمت کی حفاظت کا معاملہ‘ جہاں پردہ بھی ہوگا‘ نکاح کو آسان کیا جائے گا‘ عورتوں اور مَردوں کے آزادانہ اختلاط کو روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ جہاں مَردوں اور عورتوں کا اپنا اپنا دائرۂ کار ہوگا‘ جہاں مختلف سطحوں پر پردے ہوں گے

جہاں جنسی جذبات کو بھڑکنے اور پنپنے سے روکا جائے گا اور ان پر قابو پانے کی کوشش کی جائے گی۔ اصولی بات سمجھ لیں۔ دین کی بات سمجھنے سمجھانے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن کی تعلیم کے حوالے سے بعض اسکولوں میں کام کا موقع ملا تو گفتگو میں یہ بات زیر بحث آئی کہ حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ پڑھایا جائے یا نہیں؟ حضرت ابراہیم‘ عیسیٰ‘ نوح‘ ہود‘ صالح علیہم السلام کو تو پڑھایا جا رہا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کا اصرار تھا کہ حضرت لوطؑ کا واقعہ نہیں پڑھایا جانا چاہیے۔ کیوں نہیں پڑھایا جانا چاہیے؟ اس لیے کہ اس میں تو فلاں بات آتی ہے۔ تو جو بچے عرب میں عربی زبان جانتے ہیں اور حافظ قرآن ہیں‘ انہیں باتیں سمجھ میں بھی آتی ہوں گی۔ جب وہ تراویح پڑھاتے ہیں تو حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات بھی پڑھتے ہیں‘ تو کیا انہیں اس کی تلاوت نہیں کرنی چاہیے؟ یا بچوں کے سامنے سورۃ الاعراف کی تلاوت نہیں کرنی چاہیے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کے واقعے کا تذکرہ ہے؟ آپ اسے پڑھائیں! اگلی بات یہ بتائی گئی کہ آج بچوں کو بل بورڈز پر جو کچھ دکھایا جا رہا ہے‘ اخبارات میں اشتہارات بھرے ہیں‘ عریانی‘ فحاشی‘ بلکہ اس سے بڑھ کر بے غیرتی۔ لانز (کپڑے) والوں کے اشتہارات دیکھیں۔ اللہ انہیں ہدایت اور غیرت دے۔ بچے یہ سب دیکھ رہے ہیں‘ بچے گھر میں چلنے والے ۲۰۰ چینلز بھی دیکھ رہے ہیں‘ جن میں عریانی‘ فحاشی سب کچھ موجود ہے۔ یہ سارا کچھ لوگ دیکھتے رہے‘ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ دین کی محفل میں عریانی وفحاشی کے اس سیلاب کو غلط کہا جائے اور اس کے خطرناک اثرات سے آگاہ کیا جائے اور پچھلی قوموں کی بربادیوں سے متعلق بتایا جائے‘ تا کہ قوم ان کے نتائج سے بچے تو لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو مولوی کیسی باتیں کرتا ہے! جو لوگ یہ کر رہے ہیں اور کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں‘ انہیں شرم نہیں آتی‘ تو ہمیں عصمت وعفت کی حفاظت کی باتیں کرنے میں جھجک کیوں محسوس ہو؟

اب آگے چلیے۔ مَردوں کے لیے اللہ نے عورتوں میں کشش رکھی ہے۔ شریعت نے نکاح کا بندھن دیا اور اس کے ذریعے چاہا کہ اس جذبے کی تکمیل ہو۔ خاندان وجود میں آئیں۔ اسی سے انسانی آبادی آگے بڑھے گی۔ ممکن ہے کسی کو دوسرے تیسرے نکاح کی حاجت ہو تو عدل کی شرط کے ساتھ شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ نکاح کی بات کی جائے تو جواب آتا ہے کہ ابھی بچے کی عمر ہی کیا ہے‘ ابھی سے اس کا نکاح کر دیں؟ جبکہ بچہ پچیس تیس سال کا ہو چکا ہوتا ہے۔ کالج اور یونیورسٹی کے آزادانہ ماحول میں وہ کیا کچھ کر رہا ہے اور اس کی انتہا آبروریزی کے واقعات کی صورت میں نکل رہی ہے۔ کراچی اور لاہور کی بات کر رہا ہوں جہاں اس قسم کے واقعات ہو چکے ہیں۔ مغرب اس انتہا کو پہنچ چکا ہے جہاں اب محرمات کے ساتھ بدکاری (incest) کے واقعات عام ہو رہے ہیں۔ جب احمد دیدات کا عیسائیوں کے ساتھ مکالمہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ میں تو پاگل

ہو گیا ہوں تمہاری کتاب مقدس کو پڑھ کر کہ میری معلومات کے مطابق بائبل میں تم نے incest کے پانچ واقعات درج کر دیے ہیں۔ ان ظالموں نے یہ باتیں پیغمبروں سے منسوب کر دی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے پڑھا تو بائبل کے اندر پانچ واقعات اور مل گئے۔ اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون! اللہ کی کتاب میں تم نے محرمات کے ساتھ مباشرت کے واقعات داخل کر دیے۔ کیا تم اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھ کر اس کتاب کو پڑھ سکتے ہو؟ مجھے یہ کہہ لینے دیجئے کہ سترہ یا اٹھارہ سال پہلے میں نے مفتی عبدالرؤف سکھروی کا درس سنا تھا۔ اس وقت انہوں نے ایک بات کہی تھی کہ عورتیں کہتی ہیں مفتی صاحب! کوئی ایسا تعویز دے دیجیے کہ باپ کی نگاہ بیٹی پر نہ پڑے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ سترہ اٹھارہ سال پہلے جب مفتی صاحب اپنے درس میں یہ فرما رہے تھے تو آج معاملہ کہاں ہوگا؟ آج پورا گھر بیٹھ کر گندے پروگرام مزے سے دیکھتا ہے' کسی کو فکر ہی نہیں' کوئی شرم ہی نہیں۔ یہ واقعات کراچی میں بھی ہونا شروع ہو گئے۔ ہم جنس پرستی کی باتیں کراچی میں ہونا شروع ہو چکیں۔ میں اس سے زیادہ کھل کر بات نہیں کر سکتا۔ یہ وہ جذبہ ہے جو بے قابو ہوگا تو پورے معاشرے کو لے ڈوبے گا۔ اسی لیے اسلام نکاح کو آسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔ بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں زنا آسان ہو گیا ہے۔ حدیث کے مطابق زنا آنکھ کا بھی ہوتا ہے' کان اور زبان کا بھی ہوتا ہے' دل و دماغ کا بھی ہوتا ہے' ہاتھ اور پیر کا بھی ہوتا ہے اور اس کی انتہا وہ ہوگی جس کو ہم عرف عام میں زنا کہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ!'' ایسا معاشرہ قائم کرو جہاں نگاہوں کی حفاظت' عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجالس پر پابندی' فحاشی اور عریانی کو پھیلنے سے روکنے کا مکمل انتظام ہو۔ جس میں نکاح کرنا آسان اور زنا پر اسلامی حد نافذ ہو' تاکہ شرم و حیا اور عزت کی حفاظت ہو سکے۔ یہ جذبہ جو مرد اور عورت میں رکھا گیا' رب چاہتا ہے کہ صحیح مقام پر استعمال ہو' تاکہ خاندان مضبوط ہو' اولاد پر اعتبار ہو۔

اب مختلف پردے کیا ہیں؟ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بڑی خوبصورتی سے بیان فرمایا کہ چار سطحوں پر پردے ہیں۔ اول پورے معاشرے میں پردہ ہونا چاہیے۔ بنیادی طور پر مخلوط مجالس کی ممانعت ہو۔ مردوں کا دائرہ کار علیحدہ اور عورتوں کا دائرہ کار علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ مثلاً اگر بچیوں کو پڑھانا ہے تو ان کے اسکول الگ بنائیں' لڑکوں کے اسکول الگ بنا دیں۔ عورتوں کے ہسپتالوں میں خواتین ڈاکٹر اور نرس ہوں' جبکہ مردوں کے ہسپتالوں میں مرد ڈاکٹر اور نرس ہوں۔ ایئر لائن میں کیا ضروری ہے کہ ٹرالی لڑکی کھینچے۔ کیا مرد ٹرالی نہیں کھینچ سکتا؟ یہ عورت کی تذلیل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا بڑا خوبصورت جملہ ہے' جو کسی اور پہلو کے حوالے سے تھا: "Our sisters and daughters are not saleable commodities." اگر کچھ عورتوں کو کمانے کے لیے نکلنا ہی پڑے تو ایسے یونٹس

ہوں جہاں صرف عورتیں کام کریں۔ انتظامیہ کو رپورٹ کرنے کا کوئی طریقہ وضع کیا جائے۔ ورنہ جذبات تو بھڑکیں گے اور نتائج ہمارے سامنے ہیں۔

دوسرا مسئلہ حجاب کا ہے۔ ایک عورت گھر سے باہر نکلے تو اس کا پورا جسم ڈھکا ہوا ہو' جس کو قرآن نے ایک بڑی سی چادر سے ڈھانکنا کہا ہے۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر عصر حاضر کے علماء تک' سب پردے کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک عورت کو چہرہ سمیت اپنے پورے وجود کو چھپانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک رائے کے مطابق عورت ایک آنکھ کھول سکتی ہے' بعض نے دونوں آنکھوں کے کھولنے کا امکان ظاہر کیا ہے۔ ہاتھوں میں دستانے اور پیروں میں موزے ہوں۔ عورت اسے کہتے ہیں جسے چھپایا جائے۔ برطانیہ کی ایک رپورٹر ولیم ریڈلی نے جو افغانستان میں طالبان کی قید میں رہی اور پھر مسلمان ہو گئی تھی' مضامین لکھے ہیں جو پڑھنے کے لائق ہیں۔ اس نے لکھا کہ میں سمجھتی ہوں کہ اب میں بہت محفوظ ہوں۔

تیسرا پردہ جس کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے کہا ہے وہ گھر کی چار دیواری کے اندر کا ہے۔ گھر میں ایک خاندان ہے' ایک مہمان آ جائے تو کیا ہوگا؟ زنان خانہ الگ اور مردانہ الگ ہو۔ یہ گزرے دور کی باتیں لگتی ہیں اگرچہ بہت زیادہ پرانی باتیں نہیں ہیں۔ تہذیب مغرب کے جو اثرات ہم پر آج ہیں وہ نصف صدی پہلے نہیں تھے۔ چار دیواری کے اندر مرد الگ بیٹھیں اور عورتیں الگ بیٹھیں۔ ایسا کرنا چاہیں تو یہ ڈیڑھ کمرے کے مکان میں بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے دیکھا' مرد اور خواتین کے درمیان میں پردہ کھینچ دیا جاتا تھا۔ اس کائنات کی عظیم ترین ہستی ﷺ کے حجروں میں بھی یہ کام ہوا ہے۔ بی بی زینب ؓ کا نکاح ہوا۔ ولیمہ اسی حجرے میں ہوا۔ بی بی زینبؓ نے چادر اوڑھی' دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئیں۔ لوگ آتے گئے اور کھانا کھاتے گئے۔ لوگوں نے وقت زیادہ لگایا تو اللہ نے توجہ دلا دی۔ سورۃ الاحزاب میں تفصیل آ گئی کہ ہمارے نبیؐ کو تنگ نہ کیا کرو' زیادہ وقت نہ لیا کرو' کھاؤ اور چلے جاؤ! اگر کوئی ایسا نہ کرنا چاہے تو ڈیفنس کے ۱۸ بیڈ رومز پر مشتمل حویلی میں' جہاں دس بارہ افراد رہتے ہیں' وہاں پر بھی نہیں ہو سکتا۔ انگریزی میں ایک محاورہ ہے کہ Where there is a will, there is a way۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ If there is no will, there is no way۔ یہ تو وہ بات ہے کہ اگر نظام نہ بھی نافذ ہو تو ہم اپنے گھر میں ایسا کر سکتے ہیں۔ البتہ کالجز' یونیورسٹیز اور دفاتر کی سطح پر نظام کی ضرورت ہے۔ نظام کو نافذ کرنے کی جدوجہد ہمارا فرض ہے۔

چوتھی بات ستر کے بارے میں ہے۔ ایک خاتون گھر میں ہے' اس کے ساتھ اس کے محرم بھی ہیں' ٹھیک ہے۔ والد' بھائی اور بیٹے یہ سب محرم رشتے ہیں۔ مگر ان کے سامنے بھی ستر کے ڈھانپنے کا اہتمام ہوگا۔ چہرہ' ہاتھ اور پیر کے حصے کھلے رکھ سکتی ہے' مگر اوڑھنی تو لینی ہوگی۔ سینے پر بکل مار لے

اور سر کو ڈھانپ لے۔ یہ ستر ہے۔ توجہ فرمائیے گا۔ باپ' بیٹا اور بھائی بہرحال مرد بھی ہیں۔ نگاہوں کی حفاظت کا جو حکم ہے' اس پر بھی توجہ رہے۔ تقدس' پاکیزگی' طہارت ادھر بھی مطلوب ہے۔ یہ ہے وہ پردے کا معاملہ جس کا مقصد عفت و عصمت کی حفاظت' مَردوں اور عورتوں میں اختلاط سے گریز ہے' تاکہ جنسی جذبے کے بھڑک اٹھنے کی کوئی صورت نہ پیدا ہو اور معاشرہ تباہی کا شکار نہ ہونے پائے۔

چند باتوں کی طرف صرف اشارہ کروں گا۔ اخلاقیات کی تعلیم' بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے شفقت' معاملات کی درستگی' جھوٹ' وعدہ خلافی' خیانت' گالم گلوچ جو منافقت کی نشانیاں ہیں' ان سے بچنا' خوشی اور غمی کے مواقع پر شرکت' نیکی میں تعاون اور برائی میں تعاون کی ممانعت' نصیحت و خیرخواہی کہ دین اسی کا نام ہے' ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری' جنازوں میں شرکت' بیماروں کی عیادت' مشورہ مانگا جائے تو مشورہ دینا' چھینک آئے تو الحمدللہ کہنا' یرحمک اللہ کہہ کر جواب دینا' دعوت قبول کرنا تاکہ آپس کے تعلقات قائم رہیں' آپس کے رویوں کو درست رکھنے کے لیے حسد اور کینے سے گریز' مسلمانوں کے آپس میں ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ کہیں فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔ کہیں فرمایا کہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند کرنا جو اپنے لیے پسند ہو۔ یہ ساری باتیں ہم سب کے علم میں ہیں۔ ان سب تعلیمات کا مقصد افراد کے مجموعوں یا معاشروں کو مضبوط بنانا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہمارا دین ہمیں عطا کرتا ہے۔ ان میں سے بہت سے پہلو ایسے ہیں جو ہمارے اختیار میں ہوں تو ان پر فوراً عمل کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں ان تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(جاری ہے)

✿✿✿

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

ماہ رمضان کے فضائل و برکات

عَنْ ابی ھُریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ :

((اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِيْ مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ)) (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیے جاتے ہیں' اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رکھا جاتا' اور جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا' اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ: اے خیر اور نیکی کے طالب! قدم بڑھا کے آ' اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق! رک' آگے نہ آ! اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گناہگار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دی جاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے) اور یہ (پورے رمضان کی) ہر رات میں ہوتا رہتا ہے۔''

فضیلت صیام وقیام رمضان

بزبانِ صاحبِ قرآن ﷺ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ، وَمَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ)) (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے‘ اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے‘ اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!‘‘

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

(جاری کردہ) ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں‘ تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں‘ ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I) برائے مرد و خواتین

1. عربی صرف و نحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیات قرآنی کی صرفی و نحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعہ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحات حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II) برائے مرد حضرات

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان و ادب
9. اضافی محاضرات

- کلاسز کا آغاز یکم اگست بروز سوموار سے ہو رہا ہے
- خواہش مند خواتین و حضرات داخلہ کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: داخلہ کے خواہشمند یکم اگست تک اپنی رجسٹریشن ضرور کروا لیں۔ رجسٹریشن نہ ہونے کی صورت میں لیٹ داخلہ نہیں دیا جائے گا۔

پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
email:irts@tanzeem.org

ندیم سہیل
0322-4371473

June.2016
vol.65

Regd.CPL NO. 115
NO.6

Monthly Meesaq Lahore

رمضان المبارک کا خصوصی تحفہ

امام یحییٰ بن شرف الدین النوویؒ کے مجموعۂ احادیث

اربعینِ نوویؒ

کی تشریح و توضیح پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کے خطاباتِ جمعہ

852 صفحات ❁ دو حصوں پر مشتمل ضخیم کتاب

❁ دیدہ زیب ٹائٹل ❁ امپورٹڈ بک پیپر ❁ معیاری طباعت

رمضان المبارک میں خصوصی رعایتی قیمت
600 روپے کی بجائے صرف 250 روپے

خود پڑھیے ...... احباب کو تحفہ میں دیجیے!

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501

email: maktaba@tanzeem.org website: www.tanzeem.org